ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue: 69 :شمارہ Vol: 6 :جلد Nov 2023 نومبر

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی

ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی

اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون

ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔

مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی

ابوہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دینِ فطرت - اہم پیغامات	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	**غزل**	مظفر علی شہ میری	۱۲
۵	مولانا مستقیم احسن اعظمیؒ (سیرت وشخصیت کے چند نقوش)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۱۳
۶	رسول اللہ ﷺ کے ادب واحترام ومحبت کے تقاضے	ڈاکٹر قمر حسین انصاری	۲۰
۷	حضور ﷺ کی ''محبت'' والی ''صفت''	ایس۔ایم۔عارف حسین	۲۲
۸	**غزل**	دخترِ نیل ولاء جمال العسیلی	۲۴
۹	ہندو مصنفین کی سیرت نگاری - ایک تجزیاتی مطالعہ (۱)	امدادالحق بختیار قاسمی	۲۵
۱۰	بیت المقدس اور فلسطین کے حوالے سے یورپین افتاء کونسل کا فیصلہ	امانت علی قاسمی	۳۰
۱۱	اس سرزمیں کی ہم کو حفاظت پہ ناز ہے	حافظ وقاری ولی محمد زاہد ہریانوی	۳۲
۱۲	ایک گمنام مجاہدِ آزادی	سید عظمت اللہ بیابانی	۳۳
۱۳	گنگ وجمن کی خوشبو	تبسم اعظمی	۳۵
۱۴	**غزل**	زعیم ذومرۃ	۳۵
۱۵	**نظم - ''غزہ''**	بی ایم خان معالے اچلپوری	۳۶
۱۶	**رپورتاژ**	ڈاکٹر بشیر النساء	۳۷
۱۷	**خبر**	تشکیل انور رزاقی	۳۹

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھراپردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم گلشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ہمارا ملک ہندوستان جمہوری ملک ہے جمہوریت میں افراد کی بڑی طاقت ہوتی ہے، اسی بنا پر ووٹ کی حیثیت ملی قومی مصالح ومفادات کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس وجہ سے ملک کا ہر شہری جن کی عمر اٹھارہ سال ہو چکی ہے اس پر قومی ملی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اپنے نام کا ووٹر لسٹ میں اندراج کرے اور جب ووٹ دینے کی تاریخ آجائے تو اولین مرحلے میں اس کا استعمال کریں۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ ہمیں کسے ووٹ دینا چاہیے اور کیوں! ہندوستان میں بہت سی قومی اور علاقائی جماعتیں ہیں سبھی کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم دستور ہند پر ایقان رکھتے ہیں اور ہم وطن پرست، محبّ وطن ہیں، ہم بلا لحاظ مذہب وملت کی خدمت کریں گے، لیکن جب ہم عملی میدان میں ان کی انفرادی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو لوک سبھا، راجیہ سبھا، اسمبلیوں وغیرہ میں زیادہ تر ملک سے خیانت اور عہدے سے خیانت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور آئے دن سلکٹیٹ آفیسر اُن کی جانچ کرتے ہیں، برقی ورقی خبروں کے مطابق کوئی نہ کوئی اسکینڈل ہمارے لیڈروں کا ضرور سامنے آتا ہے۔ سراپا عملی سے دور شخص کو پارٹی مفاد پرستی، اقربہ پرستی، ذات پرستی اور اقتدار کے چکر میں ایسے شخص کو ٹکٹ دے دیتی ہے جو اس کا نااہل ہوتا ہے، بادل نخواستہ وہ ڈرا دھمکا کر، لالچ دے کر کامیاب ہو جاتا ہے اور ایک کامیابی اس کی زندگی کے ہر گناہ کو دھو دیتی ہے اور وہ عوام کا مسیحا بن جاتا ہے، مگر عوام کو خاص طور سے ہمارے ملک کے باشعور طبقے کو اپنی صلاحیت کا استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اپنے لئے جینا کوئی جینا ہے کام ہے زندگی کے کام آنا، انہیں چاہیے کہ وہ ایسے نااہلوں کو اقتدار سے دور رکھنے کی سعی کریں۔ خود میدان میں آئیں یا اچھے لوگوں کو میدان میں اُتار دیں، یا عوام میں شعور پیدا کریں کہ کون سی جماعت ہماری ملکی تہذیب وتمدن اور جمہوریت کے لئے مفید ہے جو ہمارا کم نقصان کر سکتی ہے، اُس کی طرف رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے ہمیں اپنے ملک کو فرقہ پرستوں اور مفاد پرستوں سے بچانا ہوگا، اس کے لئے ہمارے دستور میں ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ عوام کو موقع ملتا ہے، اب یہ عوام پر منحصر ہے کہ ووٹ کو چند ٹکوں یا مفاد پرستی کے چکر میں آکر غلط استعمال کرے جس سے اپنے ملک کا نقصان کرے اور خود اپنا نقصان کرے یا پھر اپنے ملک کے لئے جو صحیح ہو اُس پر چلنے کا عہد کرے۔

پورے عالم کی مقدس سرزمین فلسطین، غزہ میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، ظالم کا ظلم بڑھتا ہی جا رہا ہے، پورا علاقہ بمباری کی وجہ سے تادم تحریر تہس نہس ہو چکا ہے اور یہ سب کیمرے کے سامنے اور پیچھے بڑی دلیری سے چل رہا ہے، پورے عالم کے حکمرانوں میں صرف بات چیت یا وقت گزاری کی میٹنگوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ادارہ خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ اے اللہ فلسطینیوں کی غیبی مدد فرما اور فسطائی یہودی طاقتوں کا خاتمہ فرما، آمین ثم آمین۔

ماہ نومبر میں کئی نامور علماء واُدباء وشعراء کی یوم ولادت ووفات ہے بالخصوص علامہ شبلی نعمانی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا اسماعیل میرٹھی وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے آمین۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے زیر انتظام مسجدِ الٰہی، مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادئ عمر شاہین نگر حیدرآباد میں ۴۵۷ گز تقریباً چار ہزار اسکوائر فٹ پر تعمیری کام جاری ہے، اسی ماہ نومبر کی ۱۳؍تاریخ کو دوسری چھت ڈالی گئی ہے، ادارہ اپنے تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہے اور امید قوی ہے کہ آپ کا تعاون ادارہ کے ساتھ جاری رہے گا۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

عمیر بن وہب آنحضرت ﷺ کا سخت دشمن تھا، مقتولینِ بدر کے انتقام کے لیے جب سارا قریش بے تاب تھا، تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ وہ چپکے سے جا کر نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کردے، عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا، لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کو تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا، حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپ ﷺ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصلی راز ظاہر کردیا، یہ سن کر وہ سناٹے میں آگیا لیکن آپ ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، یہ دیکھ کر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جا کر دعوتِ اسلام پھیلائی، یہ واقعہ ۲ ہجری کا ہے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، راہ میں ایک میدان آیا، دھوپ تیز تھی، لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا دیئے، آنحضرت ﷺ نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا، تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی، کفار موقع کے منتظر رہتے تھے، لوگوں کو غافل دیکھ کر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بے خبری میں تلوار اتار لی، دفعتاً آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، آپ ﷺ کو بیدار دیکھ کر بولا ”کیوں محمد ﷺ! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ“ یہ پُر اثر آواز سن کر اس نے تلوار نیام میں کرلی، اتنے میں صحابہؓ آگئے، آپ ﷺ نے ان سے واقعہ دہرایا اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہؓ اس کو گرفتار کرکے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپ ﷺ نے اس کو مخاطب کرکے فرمایا ”ڈرو نہیں اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کرسکتے تھے“

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منھ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا ور چھپ کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہوگئے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے: وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ. (فتح۔۴۸:۲۴) اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لیے۔

خیبر میں ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کو کھانے میں زہر دیا، آپ ﷺ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ ﷺ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انھوں نے اقرار کیا لیکن آپ ﷺ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا، لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپ ﷺ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت ﷺ کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا) (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص:۲۹۸-۲۹۹)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

دینِ فطرت

قرآن مجید رشد وہدایت کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ انسان کے سنوار و بگاڑ کی ایک مکمل و مستند تاریخ بھی ہے۔ اس میں انسانی برادری کے بگاڑ کی حقیقی علت عقیدۂ آخرت کے فساد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی اسی جہل و نادانی میں مبتلا ہے اور اسی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی ہلاکت و بربادی کی طرف جارہی ہے۔ یہ غلط تصور جاگزیں ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ انسانی زندگی کا نہ کوئی مقصد و مدعا ہے اور نہ آخری انجام، زندگی کا یہ نظام عبث و باطل ہے۔ گویا انسان ایک شترِ بے مہار ہے جس کا کوئی مالک نہیں جس طرح چاہے زندگی گزارے اور مرجائے۔ ایسے لوگ حق سے روگرداں ہیں، اپنی فطرت ہی سے اندھے بنے ہوئے ہیں، اپنے فطری مطالبات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، ان کی نظر تو اس دنیا کے محدود دائرے سے آگے جا ہی نہیں سکتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے اس کے بعد نہ جینا ہے اور نہ جینے کے لوازم۔ "وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ" (سورہ الانعام:29) ترجمہ: (اور انہوں نے کہا اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہے اور نہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔)

حیاتِ بعد الموت کے قرآنی وفطری دلائل

انسان کی فطرت اور اس کی فطری خواہشات سے ظاہر ہے کہ انسان مخلوق ہے، محکوم ہے اور اس کا مخلوق و محکوم ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا ایک خالق اور حاکم حقیقی ہے بہ الفاظِ دیگر ایک اعلیٰ و عظیم ہستی کا خالق، رب و حاکم ہونا انسان کے مخلوق اور محتاج و محکوم ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ اعلیٰ و عظیم کے متعلق یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی حاکمیت انسان کی موت کے بعد ختم ہوجائے گی اس کی فرماں روائی حقیقی ہے "فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ" (سورہ المؤمنون:116) ترجمہ: (پس اعلیٰ و عظیم اللہ ہی حقیقی فرماں روا ہے۔) حقیقی فرماں روائی کا مطلب ہے لازوال و باقی رہنے والی حالت میں (زندگی)۔ انسان جو اللہ کا بندہ ہے مرنے کے بعد بھی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ دنیا کے سعی و عمل کو قائم رکھنے والے فرمانروا کی شانِ عدل و رحمت سے بعید ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کا صلہ اور بدلہ دینے پر قادر نہ ہو بلکہ شانِ رحمت یہی ہے کہ ایک یومِ حساب قائم ہو اور ایک عالمِ جزاء آباد ہو۔ "كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ" (سورہ الانعام:12) ترجمہ: (رحمت ہی اللہ کی شان ہے تم کو ضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا اس میں کوئی شک نہیں ہے۔) مطلب ظاہر ہے کہ یومِ حساب قائم کرنا اور عالمِ جزاء آباد کرنا رحمت ہی رحمت ہے۔ نیک و بدکار کا ایک ہی انجام، عدل و رحمت دونوں کے منافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ" (سورہ ص:28) ترجمہ: (کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کے برابر کردیں گے جو فساد کرتے ہیں زمین میں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے۔) ایک غیر محدود رحمت والے فرمانروا کی لازوال حکومت کے لئے واقعی ویقینی ہے کہ اپنے مخلص و جاں نثار بندوں کو ان کے اعمال کا "خیر و ابقیٰ" صلہ عطا کرے اور نافرمان و سرکش بندوں کو ان کے اعمالِ بد کا بدلہ "لعذاب الاخرة اشد و ابقی" کی صورت میں دے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ ارشاد ہے کہ یہ دنیا جو انسان کے تصرّف واختیار، سعی وجدوجہد کی دنیا ہے اس کو بنانے والے نے باطل و بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ ”مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى“ (سورہ الاحقاف:3) ترجمہ: (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اوران چیزوں کو جوان میں ہیں حکمت سے اور ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے۔) سورہ جاثیہ کے تیسرے رکوع میں ”بالحق“ حکمت سے بنانے کی وضاحت فرمادی۔ ”وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ“ (سورہ جاثیہ:22) ترجمہ: (اور اللہ نے آسمانوں وزمین کو حکمت سے پیدا کیا تا کہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔) جزاء و حساب کا مطلب یہ ہے کہ انسان بے لگام نہیں چھوڑا گیا کہ وہ دنیا میں من مانی زندگی بسر کرے اور فتنہ وفساد پھیلاتا رہے بلکہ اس کے آغاز حیات کا ایک انجام یقینی ہے جو اللہ جل شانہٗ کی قدرتِ کاملہ سے بعید نہیں جس نے ایک بے جان چیز سے جاندار بنایا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بے جان کر کے پھر جاندار بنائے اور جزائے اعمال کے لئے اپنے تمام بندوں کو اپنی حقیقی عدل و انصاف کی عدالت میں حاضر کرے۔ ”كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ“ (سورہ البقرہ:28) ترجمہ: (تم کیسے اللہ کا انکار کرتے ہو (جس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ) تم بے جان تھے تم کو زندہ کیا پھر تم کو موت دے گا اور پھر تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹو گے۔) عقل وفطرت کا یہی فیصلہ ہے، یہی اعلانِ حق ہے۔ قرآن مجید، کلام الٰہی جس میں جاہل ونادان انسان کو علم ودانشمندی سکھائی گئی ہے۔ وہ حیاتِ بعد الموت کے یقین آفرین دلائل سے بھرا ہوا ہے کیونکہ اس کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ انسان، جاہل انسان علم و عقل سیکھے۔ اپنی اصلی زندگی کو سمجھے اپنے افکار واعمال کی اصلاح کرے اور اس کے صلے میں ابدی واعلیٰ زندگی پائے۔ غرض سعی و جدوجہد، امتحان وآزمائش کا یہ ہنگامہ اپنے پیچھے ایک عالمِ جزا کی نشان دہی کر رہا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے، انسان فطرتاً حیاتِ ابدی کا طالب ہے اس لئے انسان کی کامیابی یہی ہے کہ وہ ابدی عذاب نار (آگ کے عذاب) سے محفوظ رہے اور ابدی اعلیٰ وغیر فانی زندگی اور اس کے درجات حاصل کرے۔ ”فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ“ (سورہ آل عمران:185) ترجمہ: (جو دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔) صرف کامیابی ہی نہیں بلکہ بہت بڑی کامیابی ”ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ“ (سورہ التوبہ:72، 111، یونس: 64، دخان: 57، الحدید: 12)۔ اللہ تعالیٰ جو بندوں کے لئے ہمہ خیر ہیں اور بندوں کے لئے ابدی بہتری کو پسند کرتے ہیں انہوں نے بندوں کو بندگیٔ رب کی دعوت اسی لئے دی ہے کہ بندے ابدی شاندار وعظیم کامیابی، مغفرتِ الٰہی اور الجنۃ حاصل کریں۔ ”وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ“ (سورہ البقرہ: 221)۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف اس ابدی واعلیٰ و لازوال زندگی کی طرف بلاتے ہیں بلکہ اس زندگی کے لئے مسابقت کی ترغیب دیتے ہیں۔ ”سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ“ (سورہ الحدید:21) دوڑو (ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ) اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے۔) اور یہی نہیں بلکہ یہ ترغیب بھی دیتے ہیں کہ جلد از جلد اس زندگی کی تیاری کرو۔ ”وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ“ (سورہ آل عمران:133) ترجمہ: (جلدی کرو (دوڑو) اپنے رب کی مغفرت وجنت کی طرف۔) اور یہ کہ حرص کرنے والوں کو اسی زندگی کی حرص کرنی چاہئے۔ ”وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ“ (سورہ المطففین:26)

دنیا میں فتنہ وفساد کی وجہ

آج ترقی یافتہ دنیا کا ترقی یافتہ انسان روشن خیالی کے زعم میں حیات بعد الموت کو قابلِ مضحکہ (مذاق) اور تعجب خیز

(انہونی) بات سمجھتا ہے حالانکہ یہ سراسر تاریک خیالی اور جہل ہے۔ ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا کہ انجام آخرت کو بھولے ہوئے انسانوں کے سامنے، ابدی حیاتِ بعد الموت کا فطری و حقیقی نظریہ پیش کیا گیا تو انہوں نے تعجب ہی کیا یعنی اس کو انہونی سمجھا اور پیش کرنے والوں کو جادوگر کہہ دیا "اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ" (سورہ یونس:2) ترجمہ: (کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے اُن میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیجی کہ سب انسانوں کو (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ابدی بُرے انجام سے) ڈراؤ اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوش خبری سناؤ کہ (مرنے کے بعد) اُن کے رب کے پاس اُن کے لئے سچائی کا بدلہ و درجہ ہے تو کافروں نے کہا کہ یہ تو بلاشبہ جادوگر ہے۔) واقعہ تو یہ ہے کہ ابدی حیات بعد الموت کا فطری مطالبہ رکھ کر بھی اس سے انکار کرنا تعجب خیز ہے۔ "وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ" (سورہ الرعد:5) ترجمہ: (اور اگر آپ کو تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ قول تعجب ہی کے قابل ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے۔) عقل کا اندھا پن اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جو بات عقل و فطرت کے مطابق ہے اس کو انسان خلافِ عقل سمجھے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک اٹھی ہے اور انسان کی خوں ریزیوں کی جو تیاریاں کی جارہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ حیاتِ بعد الموت کی اصلی زندگی کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اور صرف دنیا ہی مطلوب و مقصود بنی ہوئی ہے۔ اس بگاڑ کو سنوارنے کا انبیائی طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے آخرت سے غافل انسانوں کو حیاتِ آخرہ کا یقین دلایا جائے۔ یقینِ آخرت ہی ہدایتِ رب سے سرفراز ہونے کی پہلی شرط ہے۔

زوال امت کا سبب

زوالِ امت کا بھی اصلی سبب یہی ہے کہ بعد الموت کی حقیقی زندگی نہ عوام کے سامنے ہے نہ کماحقہٗ خواص کے سامنے۔ حیات بعد الموت کی قرآنی و نبوی تعلیم سے عام غفلت پیدا ہوگئی ہے۔ ایک ایسی روشنی جس سے ہر ظلمت کافور ہو جاتی ہے۔ "القرآن" اس کو ہاتھوں میں رکھ کر ہم ظلمت کی گھاٹیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ ہماری حالت "کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب" سے کچھ کم نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ جلّ شانہٗ کسی اور طرف بلاتے ہیں اور اہلِ علم و اہلِ کشف کسی اور طرف جارہے ہیں، جس قرآن کی غرض و غایت یہ ہے کہ طالبِ حق، بندۂ مخلص و جاں نثار، زاہد، مجاہد، خلیفۃ الارض بنا رہے اور مرنے کے بعد اس مجاہدانہ زندگی کے صلہ میں خیر و ابقیٰ زندگی "الجنۃ" پائے۔ وہ قرآن آج بے سمجھے حافظ و قاری بنانے یا بہت سے بہت زاہد گوشہ نشین بنانے کے لئے یا ایصالِ ثواب اور گنڈے تعویذوں کے لئے رہ گیا۔ دنیا پرستی کی تُند و تیز آندھیاں چل رہی ہیں اور اہلِ حق ہیں کہ ان کی گردِ راہ بنے ہوئے ہیں۔ اپنے علم و دانش پر اتناعزّہ (غرور) ہے کہ اس تباہ حالی کے جواز کے فتوے بھی صادر کئے جاتے ہیں کیونکہ دنیا کا فائدہ اسی میں نظر آرہا ہے۔ حالانکہ "لِيَتَفَقَّهُ فِي الدِّيْنِ" (توبہ:122) دین کی سمجھ یہ ہے کہ آخرت کی زندگی کا اصلی نفع و ضرر ایسا ذہن نشین ہو کہ دنیا میں جو کام بھی کیا جائے اسی نفع و ضرر کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔

دینِ اسلام کو خالق انسان نے اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ بندے اس دینِ حق کو اختیار کر کے صالح و پاکیزہ زندگی بسر کریں اور دنیا میں اسی دین کو قائم کرنے کی علماً و عملاً جدوجہد کرتے رہیں۔ ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا یہی واحد الٰہی طریقہ ہے۔ ابدی زندگی چونکہ پیشِ نظر نہیں رہی اور دنیا پرست قوموں کی اتباع میں صرف دنیا ہی مطلوب و مقصود ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امت کی حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ اس تباہی کی پوری ذمّہ داری ان اہلِ علم پر ہے جو دنیا کے فائدوں کی خاطر باطل نظام ہائے زندگی کے خلاف جدوجہد کرنے کے بجائے اس کی ہوا خواہی کر رہے ہیں۔ (ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص: ۷۸-۸۴)

اہم پیغامات

ترجمہ وتشریح: مولوی حبیب الرحمٰنؒ۔حیدرآباد

فَهَلْ يَنتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِهِمْ قُلْ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ. (یونس:۱۰۲)

ترجمہ: پس کیا یہ منتظر ہیں؟ مگراُن جیسے لوگوں کے دنوں (واقعات) کا جو ان سے پہلے گزر چکے (عذاب دیکھ چکے ہیں، اے نبیؐ) کہو پس تم بھی انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

تشریح: اللہ اپنے بندوں کو دوزخ سے بچنے اور مغفرت وجنت کے مستحق بنانے والے طریقے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بتاتا آیا ہے۔ جب بندے نہ صرف پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کئے بلکہ حق کی آواز ہی کو بند کرنے کی سازشیں کیں تو اللہ ان کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کرتا آیا ہے۔قرآن چونکہ قیامت تک تمام انسانوں کے لئے محفوظ کتاب ہدایت ہے جو نبی ﷺ پر نازل کی گئی، اس لئے نبی کریم ﷺ قیامت تک تمام انسانوں کے لئے اللہ کے آخری رسول ہیں، آپ ﷺ پر ایمان لانے والے نافرمانی کرتے رہتے ہیں تو ان کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کرنے کے بجائے ان کو اہلِ باطل کا تختۂ مشق بنادیا جاتا ہے، ان پر ذلت اور محتاجی مسلّط کردی جاتی ہے اوران کو فرقوں، جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اے عقل والو! غور کرو اور اصلاح کرو (سورۃ البقرہ:۶۱، آل عمران:۱۱۲، الاعراف:۱۶۷ اورالانفال:۲۴)

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ. (یونس:۱۰۳)

ترجمہ: پھر ہم بچالیتے ہیں (عذاب سے) اپنے رسولوں کو اور اسی طرح اُن لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ حق (سچّا وعدہ) ہے ہم پر کہ ہم بچالیں گے اہلِ ایمان کو۔

تشریح: اورفرمایا گیا کہ اہلِ ایمان سے مقابلہ کرنے میں اہلِ باطل کو ان کی کثرت تعداد اور قوت ان کے ہرگز کام نہ آئے گی، کیوں کہ اللہ، ایمان والوں کے ساتھ ہوتا ہے (الانفال:۱۹) اور فرمایا یقیناً ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (المومن:۵۱) اور فرمایا اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ہی غالب آئیں گے، بے شک اللہ بڑی قوت والا اور سب پر غالب ہے (المجادلہ:۲۱، الفتح:۳) ہر ایمان والا مانتا ہے کہ اللہ کی بات جھوٹی نہیں ہوسکتی، لیکن ان الٰہی تیقنات کے بعد دنیا میں جو واقعات دیکھنے اور سننے میں آرہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ موجودہ ایمان والوں کا ایمان ایسا نہیں جیسا کہ اللہ کو مطلوب ہے، اللہ تاکیداً حکم دیا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح کا ایمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ باطل کے مقابلہ میں جن تدابیر کو اختیار کرنا تھا ان کو اہلِ ایمان اختیار کرنے میں کوتاہی کیے۔ دراصل یہ حالات اہلِ ایمان کے لیے سزا اور تنبیہ کے ہیں تاکہ وہ صحیح معنوں میں ایمان والے بننے کی کوشش کریں، چناں چہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ”تاکہ وہ پلٹ آئیں“ فرمایا گیا ہے (الاعراف:۱۶۸)۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (البقرۃ:۱۷۴)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں سے (احکامات اپنے مفادِ دنیا کے لئے) چھپاتے ہیں اور اس سے (بدلے میں) تھوڑا معاوضہ لیتے ہیں، (دراصل) یہی لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں، اور حشر کے دن نہ اللہ اُن سے بات کرے گا اور نہ اُن کو پاک کرے گا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح: اللہ کا اپنے بندوں سے بات نہ کرنا اور نہ اُن کا تزکیہ کرنا مستقبل یعنی حشر کے دن کی بات ہے۔ یہی بات آل عمران

۷۷میں وَلَا یَنظُرُ اِلَیھِمْ ''ان کی طرف نہیں دیکھے گا'' کے اضافہ کے ساتھ فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں بندوں کے لئے دوزخ سے بچنے کے طریقے بیان فرمایا ہے، اُن کو چھپانے سے اللہ کے بہت سے بندے لاعلمی کی بناء پر مستحقِ دوزخ بننے کے کام کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال، عوام الناس کو بتا کر حق بات سے محروم رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے اُنہیں جو دنیاوی فائدہ یا کچھ مفاد حاصل ہوتا ہے اُس سے دراصل وہ اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں جو کہ آخرت کے معاملہ میں بہت ہی بُرا ہوگا، اس لئے کتاب کی باتیں چھپانے والوں کو اپنے نظرِ کرم سے محروم کردینے کی بات فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی بات کو چھپانے کا جرم کس قدر سنگین ہے، اس کو آیت ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۔ (البقرۃ:۱۷۵)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بجائے گمراہی کو اور مغفرت کے بجائے عذاب کو خرید رہے ہیں، پس وہ آگ پر کیسے صبر کریں گے۔

تشریح: مندرجہ بالا آیات میں کتاب الٰہی کی باتیں چھپانے کے جرم کی سنگینیت اسی لئے بیان کی گئی ہے کہ دینی رہنما، عوام الناس کو دوزخ سے بچنے کی باتیں ہر وقت بتاتے رہیں، ذرا بھی غفلت نہ کریں اور اس پر عمل کرنے کی تاکید کریں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے رہنما، دوزخ سے بچنے کے لئے قرآن کی روشنی میں عقائد کو درست کرنے کے بجائے فضائل وثواب کی باتیں یا پھر اصلاحِ معاشرہ کی حد تک عوام میں کام انجام دے کر سمجھتے ہیں کہ دین کا صحیح حق ادا کر رہے ہیں۔

قانونِ الٰہی یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں جب عقائد بگڑ جاتے ہیں تو لازماً اُن کے اعمال میں خود بخود بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے عقیدہ کی اصلاح کیے بغیر اعمال کی اصلاح کی کوشش کرنا رہبری نہیں بلکہ رہزنی ہے، کیوں کہ تمام پیغمبر سب سے پہلے عقائد کے بگاڑ ہی کو بیان کرتے ہوئے ان کو اصلاح کی دعوت دیے ہیں (اعراف:۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵، ہود:۲۶، ۵۰، ۶۱، ابراہیم:۵۲)۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَـٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۔ (البقرۃ:۱۵۹)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ چھپاتے ہیں وہ واضح نشانیاں (کھلے احکام) وہدایات جو ہم نے نازل کی ہیں اس کے بعد کہ ہم نے انسانوں (کو سمجھانے) کے لئے کتاب میں (واضح طور پر) بیان کردیا، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ قرآن کو تمام انسانوں کے لئے کتابِ ہدایت اور الفرقان (حق وباطل بتانے والی کسوٹی) بنایا ہے جس کی تعلیمات تمام انسانوں تک پہنچانے کا کام قرآن پر ایمان کے دعویداروں پر فرض کردیا ہے، اور آل عمران ۱۸۷ میں ایمان بالقرآن کا تقاضہ یہی قرار دیا گیا کہ قرآن کی باتیں تمام انسانوں تک کھول کھول کر بیان کریں، کوئی بات نہ چھپائیں۔ اور اس فرض کو پورا نہ کرنے پر صرف دنیا میں جو سزا دی جائے گی اس کو نہ صرف اس آیت میں بلکہ البقرہ ۶۱، آل عمران ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص دنیا کے نقصان سے بچنے کے لئے جو لوگ کتاب الٰہی کی باتیں عوام سے چھپاتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹ کو آگ سے بھر رہے ہیں اور حشر کے دن اللہ نہ اُن سے بات کرے گا اور نہ اُن کا تزکیہ کرے گا، ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا فرمایا گیا (البقرہ:۱۷۴) اور ۱۷۵ میں فرمایا گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو ہدایت کے بجائے گمراہی کو اور بخشش کے بجائے عذاب کو خرید رہے ہیں، تو یہ لوگ آگ کا عذاب کیسے برداشت کرسکیں گے؟

آیت زیرِ بحث میں اگرچہ کہ علماء یہود کا بگاڑ بیان فرمایا گیا ہے لیکن درحقیقت یہی وہ جرم ہے جو اُمت مسلمہ کے علماء بھی (إِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ) مسلمانوں کو قرآن سمجھ کر پڑھنے سے یہ کہہ کر روک

رہے ہیں کہ قرآن عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتا یہ اللہ کا کلام ہے جس کو سمجھنے کے لئے کئی علوم سے واقف ہونا ضروری ہے، اُن کی یہ بات اس لئے قطعی غلط ہے کہ اللہ نے قرآن کو هُدًى لِّلْعُلَمَا وهُدًى لِّلعَرَبْ نہیں فرمایا بلکہ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَان. (البقرہ:۱۸۵) ’’قرآن انسانوں کے لئے نہ صرف ہدایت بلکہ کھلی ہدایت اور حق و باطل بتانے والی کتاب ہے‘‘ فرمایا، جس کا صاف مطلب تو یہی ہے کہ ہدایت و گمراہی کی جو باتیں قرآن میں ہیں اُن کو ایک عربی دان جس طرح سمجھ سکتا ہے اسی طرح ایک غیر عربی داں اپنی زبان میں قرآن کے ترجمے سے معلوم کرسکتا ہے، چنانچہ تمام غیر مسلم حضرات اپنی زبان ہی میں قرآن کا ترجمہ پڑھ کر یا سن کر ایمان لاتے ہیں اور لا رہے ہیں اور قیامت تک لاتے رہیں گے۔ اس فرض کو ادا کرنے کے لئے سب سے پہلے خود مسلمان، قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے اپنی مادری زبان میں سمجھ کر پڑھیں، اس لئے فرمایا جو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں وہی دراصل قرآن پر ایمان لانے والے ہیں (البقرہ: ۱۲۱) اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ ہدایت کے لئے خود قرآن کو اپنی مادری زبان کے ترجمے سے سمجھ کر پڑھیں تاکہ دوسرے انسانوں تک قرآن کے احکام پہنچا سکیں۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انسانوں کو ابدی زندگی کی طرف توجہ دلانے کا کام نہ صرف سب سے اعلیٰ بلکہ انتہائی اہم ہے، یہ طریقہ نہ صرف سہل ہے بلکہ مجرب بھی ہے، یہی وہ واحد طریقہ ہے جس پر عمل کرنے ہی سے مسلمان دنیا میں ذلت و بے بسی کی زندگی سے چھٹکارہ پاسکتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے رہنما اس ذلت کی زندگی سے چھٹکارہ پانے کا طریقہ دنیا کے علوم کا حصول اور آپسی اتحاد بتاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان طریقوں سے دنیا میں ذلت کی زندگی سے کسی قدر راحت مل جائے لیکن ابدی زندگی میں عذابِ الٰہی سے چھٹکارہ ملنا ممکن نہیں کیوں کہ کائنات اللہ کی بنائی ہوئی ہے، اس لئے اللہ ہی کے بتائے ہوئے طریقے سے ہی دنیا و آخرت میں چھٹکارہ پاسکتے ہیں کسی اور طریقہ سے ہرگز نہیں۔

پروفیسر مظفر علی۔شہمیری

غزل

اپنی شاخوں سے چمٹنے کا ارادہ بھی نہیں
اُڑ کے افلاک کو چھونے کی تمنا بھی نہیں

فتویٔ کفر لیے لوگ چلے آتے ہیں
میں نے اُس بت کو ابھی ٹھیک تراشا بھی نہیں

لا کے موجوں نے ہمیں ایسی جگہ پٹکا ہے
بیچ دریا بھی نہیں اور کنارہ بھی نہیں

چاندنی آگئی آنگن میں شکایت لے کر
اُن کے ماتھے سے تو آنچل ابھی سرکا بھی نہیں

آسماں بھر کے نظر آتا ہے جب بھی دیکھوں
وہ حسین چہرہ جسے آنکھ نے دیکھا بھی نہیں

اُس کے ہاتھوں ہی میں جینا بھی ہے مرنا بھی ہمیں
وہ جو قاتل بھی نہیں اور مسیحا بھی نہیں

کوئی سایہ بھی ہے ہمراہ مظفر کے وہاں
وہ اکیلا ہے مگر اتنا اکیلا بھی نہیں

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔اعظم گڑھ

مولانا مستقیم احسن اعظمیؒ

(سیرت وشخصیت کے چند نقوش)

خطہ اعظم گڑھ اپنے جن فرزندوں اور حوصلہ مندوں پر بجا طور پر فخر و ناز کرسکتا ہے ان میں ایک اہم نام ہمارے کرم فرما اور جمعیۃ علمائے ہند مہاراشٹر کے سابق صدر مولانا مستقیم احسن اعظمی مرحوم کا بھی شامل ہے۔وہ ایک بڑے عالم ودانشور، نامور خطیب اور اہل علم وقلم تھے،ان کا دل حمیت ملی اور غیرت اسلامی کے جذبات سے سرشار تھا،ان کا سینہ کینہ وکدورت کی آلائشوں سے پاک مہر ومروت اور پیار ومحبت کے جذبات سے لبریز تھا،ان کا دماغ عزائم اور حوصلوں سے معمور تھا، سچ تو یہ ہے کہ وہ اقبال کے مرد مومن کی صفات سے آراستہ تھے۔ریشم کی طرح نرم اور فولاد کی صورت گرم۔ افسوس وہ پاک دل اور پاکباز شخص ۲۰؍جون ۲۰۲۳ء کو طویل علالت کے بعد وسئی ممبئی میں اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون.**

اسی دن شام بعد نماز عصر نارئیل واڑی قبرستان مجگاؤں جنوبی ممبئی میں ہزاروں سوگواروں کے درمیان انہیں سپرد خاک کیا گیا، جہاں چند سال پہلے[۲۰۱۰ء] ان کی اہلیہ خورشیدہ مرحومہ جو مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ سابق استاد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی صاحبزادی تھیں، سپرد خاک ہوئی تھیں۔

ولانا مستقیم احسن اعظمی صاحب ضلع اعظم گڑھ کے ایک موضع شیخوپور میں ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ان کا آبائی وطن ضلع اعظم گڑھ کا ایک اور موضع علاء الدین پٹی تھا جسے ادیب شہیر مولانا عبدالسلام ندوی[۱۸۸۳ - ۱۹۵۶ء] کے مولد ووطن ہونے کا شرف حاصل ہے، مولانا مرحوم کا نانیہال بھی اسی گاؤں میں تھا، اس لئے ان کے بچپن کے ایام وہاں بھی گذرے تھے۔وہاں کے بہت سے لوگوں سے ان کی شناسائی تھی۔ان کی والدہ دوسرے نکاح میں موضع شیخوپور آئیں تو ان کے بچے بھی شیخوپور آگئے اور پھر یہی ان کا مسکن ووطن ٹھہرا۔

مولانا مستقیم احسن اعظمی صاحب کے والد نے کم عمری میں وفات پائی،ان کی اور ان کے بھائیوں کی پرورش وپرداخت چچا نے کی۔ان کے انتقال کے بعد مولانا مرحوم کی کفالت اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ان کے بھائیوں نے اٹھائی۔حافظ عبدالرقیب صاحب ان کے بڑے بھائی تھے، نہوں نے بھی کم عمری میں انتقال کیا، ایسے حالات میں مولانا مرحوم کے دوسرے بھائی اور والدہ نے ہار نہیں مانی اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف سے غافل نہیں ہوئے اور انہیں اس دور میں دیوبند اور ندوہ میں تعلیم دلائی۔جو لوگ اس خطہ اعظم گڑھ کے گاؤں اور اطراف سے واقفیت رکھتے ہیں انہیں اندازہ ہوگا کہ بچوں کو اس قدر تعلیم دلانے میں بھی ان خانوادوں کو کتنے ہفت خواں طے کرنے ہوتے تھے، ہمت وحوصلہ اور علم وتعلیم سے بے انتہا تعلق رکھنے والے افراد ہی

تعلیم کے لئے اس قدر جاں فشانیاں اٹھاتے تھے۔

مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں حاصل کی، جو اس وقت مکتب کی صورت میں گاؤں کے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کر رہا تھا۔ پھرانہوں نے پرائمری اسکول پٹودھ میں داخلہ لیا، درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد وہ اپنے علاقہ کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوئے۔ وہاں متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الاصلاح سرائے چلے گئے، جہاں سے ان کے برادر اکبر حافظ عبدالرقیب مرحوم نے حفظ کی تکمیل کی تھی، مدرسۃ الاصلاح پر دو برس زیر تعلیم رہے۔اس کے بعد اعلیٰ تعلیم یعنی فضیلت کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے اور شعبان ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۲ء) میں سند فضیلت حاصل کی، دیوبند میں اور اساتذہ کے علاوہ فخرالمحدثین مولانا سید فخرالدینؒ مرادآبادی سے حدیث شریف پڑھی، یہاں علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے خصوصی تعلق وتلمذ رہا۔ اس کے بعد وہ ندوۃ العلماء گئے اور تخصص فی الادب میں داخلہ لیا، مگر بوجوہ تکمیل نہ کرسکے اور اعظم گڑھ واپس لوٹ آئے۔

مولانا مرحوم کی عملی زندگی کا آغاز ضلع اعظم گڑھ کے مشہور مدرسہ جامعۃ الرشاد میں درس وتدریس سے ہوا۔اسی زمانہ میں علمی مذاق کے سبب دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اوراس کے ارباب حل وعقد سے گہرے روابط قائم ہوئے جومدۃ العمر باقی رہے۔مطالعہ وتحقیق اور لکھنے پڑھنے کا خیال اولاً انہیں یہیں آیا تھا،لیکن اس زمانہ میں ان کے جو بزرگ بمبئی میں تجارت کررہے تھے وہ وفات پاگئے،حالات کی اس نامساعدت نے انہیں ۱۹۶۴ء میں عروس البلاد بمبئی پہنچا دیا، جہاں انہوں نے دری اور کپڑوں کی تجارت شروع کی،اللہ نے بڑی برکت دی،اسی تجارت سے انہوں نے زندگی کے تمام ہفت خواں طے کئے۔ پورے خانودہ کی کفالت وسرپرستی کے سوا بچوں کی تعلیم وتربیت،قومی، ملی،تعلیمی اورسماجی معاملات میں شمولیت وغیرہ سب میں ان کی تجارت ان کا بڑا اسہارا بنی رہی۔

مولانا مرحوم کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ تاحیات اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے جیتے رہے۔اپنے خانوادہ ،گاؤں اورضلع کے تمام معاملات ومسائل میں وہ شریک رہتے اوران کے حل کرنے میں بھرپورحصہ لیتے۔اس سے بھی بڑھ کروہ ملت کے لئے مسلسل کام کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پرمہاراشٹر کے مسلمانوں کے تو گویا وہ رہبرورہنما اورقائدوسرپرست ہی تھے۔ان کے ہر کام میں پیش پیش رہتے ۔خاص طور پرفسادات کے زمانہ میں تووہ اپنی اوراپنے گھر والوں سے زیادہ فکر عام لوگوں کی کرتے ،اس میں وہ اپنی صحت وتندرستی کی بھی پروانہیں کرتے تھے،فسادزدگان کی بازآبادکاری ،غریبوں، مسکینوں، لاچاروں،مظلوموں کی مدد کرنا وہ نہ صرف اپنا فرض خیال کرتے بلکہ انہیں عملی طور پر برت کر دکھاتے تھے۔ان کے یہاں مدداورتعاون کے لئے جوبھی پہنچا ان میں عام افراد ہوں یا خاص، جمعیۃ علمائے ہند کے اراکین ہوں یا کسی اورتنظیم کے فرد،اعظم گڑھ اورممبئی کے باشندہ ہوں یا دنیا جہان کہیں سے بھی تعلق رکھتے ہوں ان کے نزدیک یہ اہمیت نہیں رکھتا تھا، چنانچہ وہ سب کے لئے چل پڑتے اوران سے جوبن پڑتا وہ ضرور کرتے۔کم زوروں کے کام آنا اوران کے مسائل کواپنا مسئلہ بنالینا۔یہ مولانا مرحوم کا ایک دن کا نہیں روزمرہ کا کام تھا۔سچ تو یہ ہے کہ قوم میں ایسے ملی ہمدردوبہی خواہ دوچارہی پیدا ہوجائیں تو ملت کے مسائل و مشکلات کا سدباب ہوجائے۔وہ واقعی بڑے جلیل القدرانسان تھے۔

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

مولانا مستقیم احسن اعظمی بمبئی کی آل انڈیا علماء کونسل اور جمعیۃ علمائے ہند مہاراشٹر دونوں تنظیموں سے وابستہ اور عہدہ دار رہے اور خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۸ء میں جمعیۃ علمائے ہند مہاراشٹر میں انہیں ان کے ایک ہم وطن حاجی شمس الدین اعظمی مرحوم لائے اور پھر انہوں نے جمعیۃ سے زندگی بھر کا پیمان وفا باندھا اور آخری دم تک اس کے کاز کو لے کر جیتے مرتے رہے، اس طویل عرصہ وابستگی کے متنوع نشیب و فراز کے باوجود آخری دم تک اس کی خدمت میں منہمک رہے۔ جمعیۃ علمائے ہند سے ان کی وابستگی کی مدت پچاس برس سے زاید کے عرصہ پر محیط ہے۔ ۳۵/برس تک وہ جمعیۃ علماء مہاراشٹر کے رکن اور ۲۸/فروری ۲۰۰۸ء سے وفات تک تقریباً ۱۶/برس صدر کے عہدہ پر فائز رہے اور اس حوالہ سے انہوں نے بڑی عظیم الشان دینی وملی اور سماجی خدمات انجام دیں، سچ تو یہ ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند مہاراشٹر کی تاریخ میں ایسا بالغ نظر، ہمہ جہت اور طویل المدت خدمت گذار شاید ہی کوئی ملے۔

انہوں نے مہاراشٹر میں جمعیۃ علماء میں نئے اراکین کے ذریعہ ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور گلزار اعظمی مرحوم کے ساتھ مل کر مہاراشٹر بالخصوص ممبئی میں جمعیۃ علمائے ہند کی عزت اور وقار میں اضافہ کیا، خاص طور پر بے گناہوں کی رہائی کے لئے ان کے عہد صدارت میں جو ناقابل فراموش داستان لکھی گئی وہ کسی طلسم ہوش ربا سے کم نہیں اور وہ کبھی بھلائی نہیں جاسکے گی۔

غالباً یہی سبب تھا کہ وہ عوام وخواص سب میں یکساں مقبول ومحترم تھے، بعض لوگوں نے بجا طور پر انہیں محبوب العلماء لکھا ہے، انہوں نے ایک بار کہا تھا کہ جمعیۃ علمائے ہند ملت کی خدمت سیاست سمجھ کر نہیں عبادت سمجھ کر کرتی ہے۔ یہ ان کا محض ایک بیان نہ تھا بلکہ وہ خود اپنے اس قول پر عمل پیرا اور کاربند رہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ صبح سے شام اور رات تک ملت کے کاموں میں مسلسل مصروف رہتے اور ضعف اور پیرانہ سالی کا بھی لحاظ نہ کرتے، کسی تنظیم یا تحریک سے پچاس سال تک وابستہ رہ کر سرفروشانہ کام کرنا غیر معمولی بات ہے اور بلاشبہ مولانا مستقیم احسن صاحب غیر معمولی شخص تھے۔ ع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بمبئی کے مسلمانوں کے تمام اہم ملی اور فلاحی ورفاہی کاموں میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خاص طور پر یوپی حج ہاؤس کی تعمیر میں انہوں نے اپنے احباب کے ساتھ جس طرح رات دن ایک کر کے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا وہ بس انہی کا اور ان کے احباب کا دم خم اور حوصلہ تھا۔ اس موقع پر مولانا نے جو خطبہ دیا تھا اور جو مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے وہ ایک تاریخ بھی ہے اور ان کے عزم وحوصلہ کا ایک خوب صورت مرقع بھی۔ یہ ان کی ایسی مساعی جمیلہ ہے جسے ملت کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

ایک بار مولانا مرحوم بامبے مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک کے ڈائرکٹر منتخب ہوئے اور غالباً دو ٹرم اس عہدہ پر فائز رہے، یہ قدم بھی انہوں نے قوم کو فائدہ ہی پہنچانے کی غرض سے اٹھایا تھا اور چند لوگوں کو اس فائدہ بھی پہنچا، مگر ہمارے بعض دوستوں نے اسے پسند نہیں کیا اور ان پر اعتراضات بھی کئے، اور یہ حقیقت بھی ہے کہ یہ عہدہ ایک عالم کے شایان شان نہ تھا۔

مولانا مرحوم کا علم ومطالعہ بہت گہرا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں بھی انہیں مطالعہ وکتب بینی کا بہت شوق تھا، احیاء العلوم مبارکپور، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور دارالعلوم

دیو بند کے سربرآوردہ اساتذہ اور علماء وفضلاء سے تعلیم وتحصیل نے ان کے علم وعمل میں بڑی گہرائی پیدا کردی تھی، پھرندوہ، جامعۃ الرشاد اور دارالمصنّفین کے تعلق نے اس میں مزید جلا پیدا کی۔ چنانچہ ان میں تاریخ اور علوم اسلامیہ میں بڑا استحضار ہوگیا تھا، جس کا مشاہدہ ان کی تقاریر کے ساتھ عام گفتگو میں بھی ہوتا رہتا تھا۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک پختہ مشق اہل قلم اور مضمون نگار بھی تھے۔ ابتدا میں شعروشاعری سے شغف رہا۔ مشاعروں اور شعری محفلوں میں وہ نہ صرف بڑے شوق سے شریک ہوتے بلکہ ان کا انعقاد بھی کرتے تھے۔ متعدد شعری محفلوں میں انہوں نے نظامت اور صدارت کے فرائض بھی انجام دئے۔ بمبئی میں وہ کئی برس تک نعتیہ مشاعرے کا بھی اہتمام کرتے رہے، جس میں ملک کے نامی گرامی شعرا بیکل اتساہی اور اجمل سلطان پوری وغیرہ نے شرکت کی، خود مولانا مرحوم کا شمار شفیق جون پوری کے حلقہ تلامذہ میں ہوتا تھا، مگر پھر ان کا رجحان نثر کی طرف غالب ہوگیا۔

وہ ادیبوں، شاعروں اور مصنّفین کے شہر اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے تھی، فطری طور پر ان میں تحریری صلاحیت موجود تھی۔ انہوں نے متعدد علمی و دینی اور ادبی وتاریخی مضامین ومقالات لکھے جو اپنے عہد کے موقر رسائل میں شائع ہوئے ۔ مورخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے ان کے کئی مضامین اپنے مجلّہ البلاغ بمبئی میں شائع کئے، دیگر رسائل و جرائد میں بھی ان کی بعض تحریریں شائع ہوئیں۔ ان کے مقالات اور خطبات کا ایک گراں قدر مجموعہ ''متاع نقد ونظر'' ان کے لائق صاحبزادے اور ہمارے فاضل دوست مولانا ڈاکٹر محمد عارف عمری صاحب سابق رفیق دارالمصنّفین نے مرتب کر کے ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے اپریل ۲۰۱۳ء میں شائع کرادیا ہے۔

''متاع نقد ونظر'' کے مضامین ومقالات میں ان کی علمیت، فکر انگیزی، گہرائی وگیرائی، وسعت معلومات بلند آہنگی، زبان وبیان کی پختگی اور ان کے نکھرے ہوئے شستہ وشگفتہ اسلوب نگارش سے کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ان کی بس یہی اکلوتی کتاب ہے۔

مولانا مستقیم صاحب نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کی، موضوعات کی انفرادیت نے ان کی تحریروں میں بھی انفرادیت اور جاذبیت پیدا کردی ہے، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ،حضرت محمد قاسم نانوتوی، سرسید احمد خاں، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کی شخصیت اوران کے افکار وخیالات کا ذکروہ افادی ادب کی بہترین سوغات کے طور پر کرتے ہیں، دیگر موضوعات میں بھی انہوں نے سرسری اظہار خیال نہیں کیا ہے بلکہ تحقیق وتدقیق کے بعد اپنے نتائج پیش کئے ہیں، ان کے علمی مقالات میں 'ہندوستان میں عربی زبان کی اہمیت' بڑا وقیع مقالہ ہے۔ قوم سبا، شخصیت کی پرستی اور بعض دوسرے مقالات بھی اہل علم کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیتے ہیں۔

مولانا مرحوم نے کئی علمی وادبی سمیناروں میں شرکت کی اور تحقیقی مقالات پیش کئے۔ بمبئی یونیورسٹی کے ایک سمینار میں ''مولانا آزاد کا انانیتی ادب'' جیسے منفرد عنوان پر مقالہ پیش کیا جسے اہل علم نے بہت سراہا، اسی طرح ۱۹۹۲ء میں بمبئی یونیورسٹی شعبہ اردو کے سربراہ اور ممتاز اہل قلم پروفیسر عبدالستار دلوی نے یونیورسٹی اور باشندگان اعظم گڑھ کے تعاون سے علامہ شبلی نعمانی کی سیرت وشخصیت اور فکر وفن پر ایک بڑے تاریخی سمینار کا انعقاد کیا تھا، جس میں سید حامد اور علی سردار جعفری جیسے مشاہیر علم وادب کے ساتھ ملک کے

دسیوں ممتاز اہل قلم نے شرکت کی تھی، مولانا مستقیم احسن اعظمی نے اس میں بھی شرکت کی اور ''علامہ شبلی اور تحریک ندوۃ العلماء'' جیسے اہم اور منفرد موضوع پر مقالہ پیش کیا، اسے بھی اہل علم بالخصوص رفقائے دارالمصنّفین نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ یہ دونوں مقالات مولانا کے مجموعہ مقالات ''متاع نقد ونظر'' میں شامل ہیں۔

دیوبند اور علمائے دیوبند کے تو وہ عاشق زار تھے۔ ان کی شخصیت اور فکر ونظر پر بھی ان کے بعض اہم مقالات شائع ہوئے ہیں۔ غرض منفرد موضوعات پر ان کی بڑی فکر انگیز تحریریں چھپی ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، ان کی ایک اور تحریر جو مذکورہ مجموعہ میں شامل نہیں ہے وہ ان کے ہم وطن اور مشاعروں کے مشہور شاعر ساغر اعظمی کی شخصیت اور شاعری پر ہے۔ ساغر اعظمی مرحوم ان کے دور طالب علمی کے ساتھی تھے۔ ان کی زندگی اور شاعری پر مولانا نے جو مضمون لکھا ہے وہ شعر و ادب سے ان کی گہری واقفیت کا پتہ دیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی ذات میں ایک بڑا اہل قلم اور مصنف پوشیدہ تھا، مگر حالات کے جبر نے اسے اپنے حصار سے باہر نہیں آنے دیا، اب تک ہمارا یہ خیال تھا کہ یہ المیہ صرف ہمارے عہد کا ہے کہ بعض بڑے لائق اشخاص اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ان میدانوں سے وابستہ رہے جو ان کے اصل میدان کار نہ تھے، ملکی تناظر میں اس کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن خاص اعظم گڑھ میں اقبال احمد خاں سہیل، محبوب الرحمٰن کلیم، مرزا احسان احمد اور دیگر نامور اشخاص جن کی علمی وادبی صلاحتیں کچہری اور وکالت کی نذر ہوئیں قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ہمارے مولانا مستقیم احسن اعظمی کی علمی صلاحیت ان کی تجارت اور جلسوں کی نذر ہوئی، لیکن جوں ہی اللہ تعالی نے انہیں فارغ البالی عطا کی وہ ملت کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، وہ کامیاب تاجر رہے ہوں یا نہ رہے ہوں کامیاب رہبر ورہنما ضرور تھے۔

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

مولانا مرحوم نے علامہ شبلی اور تحریک ندوہ کے متعلق جو مفصل مقالہ بمبئی یونیورسٹی کے سمینار میں پیش کیا تھا اس کا حاصل یہ ہے کہ

> ''مولانا شبلی کا اپنے موقف پر بہ شدت اصرار محض اس وجہ سے تھا کہ وہ دارالعلوم ندوہ کو تحریک ندوہ کا ماڈل دیکھنا چاہتے تھے، مگر وہاں ان کی مخالفت کا زور اس قدر بڑھا کہ مجبور ہو کر انہوں نے جولائی ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم ندوہ کی معتمدی سے استعفاء دیدیا۔ مولانا شبلی کا ندوہ سے علاحدہ ہونا درحقیقت تحریک ندوہ کا خاتمہ ہے اور اسی پر یہ عظیم الشان تحریک ایک مدرسہ کی صورت میں سمٹ کر رہ گئی، جب کہ ایک صدی سے زاید کا عرصہ گذر جانے کے باوجود آج بھی اس کی ضرورت اسی طرح باقی ہے۔ کاش مدفن شبلی دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے اس کا از سر نو احیا ہو اور زمانہ کے مقتضیات کے لحاظ سے دینی تعلیم کے مراکز میں نئی روح پھونکی جائے۔''
> (متاع نقد ونظر، ص ۴۴-۴۵)

مولانا مستقیم احسن اعظمی مرحوم ایک بڑے خطیب اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ مجمع پر چھا جانا اور سامعین کے دلوں میں گھر کر لینا ان کی خطابت کی خصوصیات تھیں۔ شاید ہی کوئی ایسا دن گذرا ہوگا جب انہوں نے تقریر نہ کی ہو۔ روزانہ وہ کہیں نہ کہیں تقریر وتقریب میں مصروف رہتے۔ مذہبی تقریبات ہوں یا سیاسی جلسے، شعروشاعری کی محفلیں ہوں یا اہل علم وکمال کا مجمع، لوکل تنظیمیں ہوں یا باہر سے آئے مہمان، وہ کہیں نہ کہیں خطاب ضرور کر رہے ہوتے، اس میں

انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، مجھے بھی متعدد مقامات پر ان کے خطبات کی سماعت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ان کی تقریروں میں جوش وخروش کے ساتھ اخلاص وللہیت کے جذبات بھی پنہاں ہوتے تھے۔ بیان میں ایسا ربط وتسلسل، گفتگو میں ایسی ترتیب وتنظیم اور اپنی بات کہنے کا ایسا عمدہ سلیقہ انہیں آتا تھا کہ ان کی باتیں نہ صرف دل کو چھو جاتی تھیں بلکہ سیدھا دلوں میں اتر جاتی تھیں۔ان کی آواز بھی ایک خطیب ومقرر کی آواز تھی، جس میں کھن گرج اور بلا کی کشش تھی،افسوس وہ آواز اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

مولانا کے مجموعہ مقالات متاع نقد ونظر میں ان کے تین تاریخی خطبات بھی شامل ہیں، چونکہ یہ خطبات انہوں نے کتابچہ کی صورت میں شائع کرائے تھے،اس لئے محفوظ رہے اور کتاب کی اشاعت کے وقت شامل کر لئے گئے،ورنہ سیکڑوں اہم خطبات ایسے بھی تھے جو محفوظ کرنے لائق تھے ،لیکن کون محفوظ کرتا، چنانچہ وہ ضائع ہوگئے،البتہ بہت سے خطبات آڈیو اور ویڈیو سے اب بھی محفوظ کئے جاسکتے ہیں، ان کا محفوظ ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ملک وملت کے لئے مفید تو ہیں ہی خود مولانائے مرحوم کے جوہر اصلی کا نمونہ بھی ہیں، جن کی تاثیر جلد ختم ہونے والی نہیں ہے۔

''متاع نقد ونظر'' میں مولانا مرحوم کا وہ خطبہ خاص طور پر لائق مطالعہ ہے جو انہوں نے آزادی کی پچاسویں سال گرہ کے موقع پر دیا تھا اور جس میں آزادی وطن کے لئے خاص طور پر مسلمانوں کی جدوجہد کا بڑے موثر انداز میں ذکر ہوا ہے۔

مولانا مستقیم احسن اعظمی کا دائرہ اثر بے حد وسیع تھا، اس میں بڑوں کی محبت اور عزت واحترام کے ساتھ چھوٹوں اور عزیزوں پر شفقت ومروت بھی شامل ہے۔وہ جہاں اپنے بچپن کے احباب اور معاصرین سے ٹوٹ کر ملتے ،اپنے اساتذہ کا ادب واحترام کرتے،وہیں ہر ملنے والے کا پاس ولحاظ کرتے اور سب کے ممکنہ تعاون کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

ہر سال ملک کے مختلف خطوں اور علاقوں سے مدارس کے ذمہ داران اور ان کے وفود آتے،ان کا تعاون کرنا اور کرانا مدۃ العمران کا مشغلہ رہا۔مسلمانوں پر آنے والی وقتی آفات اور ان مسائل ومشکلات میں بھی لوگ ان سے رابطہ کرتے اور وہ ان کے کام آتے۔جمعیۃ علماء سے وابستہ ہونے کے سبب اس وسیع حلقہ کے افراد تو آتے ہی تھے،ان کے ظرف وحوصلہ اور فراخ دلی کے سبب دوسرے حلقوں کے افراد بھی ان سے تعاون کے طلب گار ہوتے اور مولانا مرحوم ان کے بھی کام آتے۔ ان کے نزدیک افراد سے زیادہ کام کی اہمیت تھی۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا ایک وفد جو مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے زمانہ میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن اور بعض دوسرے اشخاص کے ساتھ بمبئی گیا تھا،اس موقع پر انہوں نے بھی ہر ممکن تعاون کیا اور ایک رقم دے کر خود بھی دارالمصنّفین کے لائف ممبر بنے۔۲۰۱۱ء میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی کے دور نظامت میں دارالمصنّفین کا وفد دوبارہ گیا تھا، جس میں یہ ناچیز بھی شامل تھا تو مولانا مرحوم اور ان کے لائق صاحبزادے مولانا ڈاکٹر محمد عارف عمری صاحب ہفتوں ہمارے ساتھ رہے اور ہر ممکن تعاون کیا،اور اہل خیر سے ملاقات اور تعاون میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اس موقع پر انہوں نے دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اور ماہنامہ معارف کے متعدد لائف ممبر بنوائے اور اپنے دونوں بیٹوں مولانا محمد عارف عمری اور محمد طارق احسن اصلاحی کو بھی لائف

ممبر بنوایا۔حق تو یہ ہے کہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

کے مصداق وہ ایک انتہائی منفرد شخصیت کے مالک تھے۔

وہ ہر جگہ، ہر محفل ومجلس اور ہر بزم میں عام لوگوں کی طرح رہتے۔کہیں ترفع، برتری اور اپنی شخصیت کی وجاہت وبلندی کا اظہار نہ کرتے۔حقیقت یہ ہے کہ ان میں پندار اور نام ونمود کی خوبو نام کو بلکہ رتی برابر نہ تھی۔عوامی زبان میں وہ بہت سہل تھے، جو جب چاہے مل سکتا تھا اور اپنی بات کہہ سکتا تھا،اسی شہر ممبئی میں اعظم گڑھ کے اور بھی متعدد صاحب مال ودولت ہیں، بڑے بڑے مناصب پر فائز ہیں، کون ان سے بسہولت مل سکتا ہے۔؟

مولانا مرحوم کے چند اہم تعلیمی کاموں میں خود اس مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کی تعمیر وتشکیل جدید بھی شامل ہے، جس میں انہوں بسم اللہ کی تھی،گاؤں کے مخیرّ اور احباب کے تعاون سے انہوں نے اس معمولی مکتب کو جسے قاری محمد عظیم صاحب نے قائم کیا تھا اپنی کوششوں سے ایک بڑے مدرسہ کی صورت عطا کی۔ان کا اور ان کے احباب اور شیخوپور کے اہل دل کا یہ فیضان صدقہ جاریہ کی صورت میں ان کے لئے ہمیشہ نفع بخش ثابت ہوگا۔

مولانا مرحوم ناچیز کو بھی بہت عزیز رکھتے تھے، میں جب بھی ان سے ملا محبت واپنائیت کا عجب احساس پیدا ہوا۔کئی جلسوں اور پروگراموں میں ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا،ان کے حسن سلوک دیکھے، مہر ومروت کے جذبات اور دست شفقت دیکھے، تقریر وخطابت کے جلوے دیکھے، مگر حمید دلوائی مرحوم کے ایک جلسے میں جو آزاد میدان منعقد ہوا تھا، اس مولانا نے جو برجستہ تقریر کی تھی وہ اب تک یاد ہے اور ذہن میں گردش کرتی رہتی ہے۔

وہ خلوص ومحبت کا دریا تھے۔اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانے اور ان کی حوصلہ افزائی کا انہیں خاص ہنر آتا تھا بلکہ اس معاملہ میں وہ ایک بڑے حکیم اور نباض شخص تھے۔اس کے بعض مظاہر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور بعض کا تعلق خود میری اپنی ذات سے بھی ہے۔انہوں نے کئی بار عطر کے جو تحفے دئے ان کی خوشبو سے دل ودماغ اب تک معطر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ خوشبو کی یہ سوغات ان کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا بن کر ہمیشہ مہکتی رہے گی۔

جولائی ۲۰۱۶ء میں جب میری بائی پاس سرجری بمبئی کے گلوبل ہاسپٹل میں ہوئی تو وہ مجھ جیسے معمولی شخص کی عیادت کے لئے پہلے اسپتال اور پھر گھر دونوں جگہ تشریف لائے۔خوب خوب دعائیں دیں اور جب میں چھ ماہ بعد دوبارہ بمبئی گیا اور ان سے ملاقات کی تو بے حد خوش ہوئے اور دیر تک دعائیں دیتے رہے۔ان کی سب سے اہم دعا یہ تھی کہ ابھی آپ کو اور بہت سے علمی وتصنیفی کام کرنے ہیں، الحمدللہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس کے بعد دسیوں کتابیں ناچیز کے قلم سے منظر عام پر آئیں۔افسوس اب اس سایہ دار شجر کی چھاؤں ہمارے سروں پر نہیں رہی۔

میرے علمی وتصنیفی کاموں کے وہ بڑے معترف اور مداح تھے، ناچیز کی بعض کتابیں ان کے زیر مطالعہ بھی رہیں۔ان کی تحسین معمولی تحسین نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ خود غیر معمولی شخص تھے اور ان کی تحسین وستائش بھی غیر معمولی ہوتی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی تعریف وتحسین سے جی خوش ہوجاتا تھا اور مزید کام کرنے کا عزم وحوصلہ پیدا ہوتا تھا۔ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ جلد پر نہ ہو سکے گا۔اللہ تعالی ملت اور ہم سب کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین

ڈاکٹر قمر حسین انصاری۔ بنجارہ ہلز، حیدرآباد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام ومحبت کے تقاضے

اللہ تعالیٰ کا پہلا بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی مخلوقات میں انسان بنایا پھر اللہ نے دوسرا بڑا احسان یہ کیا کہ ہمیں اُمتِ محمدیؐ میں پیدا کیا۔ بقول نور آمنہ نور کے

آؤ آؤ چلیں مسجدِ نبویؐ کے صحن
دیکھو دیکھو صحابہؓ ہیں ذکر میں مگن
رب نے احسان کیا، دے کے اپنا حبیبؐ
جس سے ہدایت ہوئی، ہوگئے خدا کے قریب

رسول اللہؐ کے ادب واحترام ومحبت کے تین تقاضے ہیں:

(۱) ذاتِ محمدؐ سے دل وجان سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور عظمت کا احترام۔ جس کے بغیر نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے لگاؤ ہوگا اور نہ سنتوں کی پیروی۔ یاد رکھئے صحابہ کرام جب بھی حضورؐ سے مخاطب ہوتے تو یوں ہوتے: ''رسول اللہ آپ پر میری جان ومال ماں باپ واولاد قربان''۔ بقول قاضی سلیمؒ

صاحبِ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم، منزلِ عرفان آپؐ
جسم، ہم اور جان آپ، درد ہم درمان آپؐ

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے محبت۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے محبت اور اُس کی پیروی: اُصول فقہ کی کتابوں میں یہ امر مسلمہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل قانونی حیثیت رکھتا ہے اور شریعت بن جاتا ہے۔ خود قرآنِ مجید بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ (۱) جو کچھ رسولؐ دیں، لے لو اور جس بات سے روکیں، رُک جاؤ (سورۃ الحشر) (۲) تمہارے لئے رسولؐ میں بہترین نمونہ ہے (سورۃ الاحزاب)۔ اگر ان تینوں تقاضوں کو پیمانہ بنایا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ اُمتِ محمدیؐ تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔

(۱) پہلا طبقہ: وہ جو اللہ اور اُس کے آخری رسولؐ سے محبت کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں اُن کی اتباع کرتے ہیں، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنوارتے ہیں اور فلاح پاتے ہیں۔ یہ لوگ سیدھے راستے پر ہیں مگر اقلیت میں ہیں۔ اُن کو دیکھ کر اللہ اور اُس کے رسول یاد آتے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے خاتم النبیین، سید المرسلین، محسنِ انسانیت، امام الانبیاء شافع محشر، رحمۃ للعالمین، صاحب معراج، معلمِ اعظم، سرورِ دوعالم سے اپنی محبت کا اظہار طرح طرح سے کیا ہے...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بُلند کیا'' (سورۃ الشرح)۔ بقول علامہ اقبالؒ:

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان رفعنالک ذکرک دیکھے

(۲) دوسرا طبقہ: وہ جو بلند بانگ ''عاشقِ رسولؐ'' ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنا ہر عمل سنت کے خلاف کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ کی نافرمانی کر کے گناہ در گناہ کئے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اکثریت میں ہیں۔ اپنے وقت کے بے تاج بادشاہ مشہور شاعر احمد فراز نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا۔

تو روشنی کا پیمبرؑ تھا اور میری تاریخ

بھری پڑی ہے شب ظلم کی داستانوں سے

(۳) تیسرا طبقہ: وہ جو قرآن کو جانتا ہے لیکن صاحبِ قرآنؐ کا ادب واحترام، محبت وعظمت کا اقرار اُن کے دلوں میں اتنا نہیں ہے جتنا کہ اسلام کا تقاضہ ہے۔ احادیث کی صحت پر ہمیشہ شک وشبہ کرتے ہیں اور ہمیشہ ''رسول اللہ بشر تھے یا نور'' اور معراج النبیؐ جسمانی تھی یا روحانی'' اور جب بھی رسول اللہ کا اور آپ کی عظمت کا ذکر ہوتا ہے، ناک بھوں چڑھ جاتے ہیں اور اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ رسول اللہ کو ایک عام آدمی کے درجہ سے بلند نہ ہونے دیں۔ توبہ! جاگ مسلمان، جاگ! سوچ اور غور وفکر کر کہ کس نے تیرے بدن سے روحِ محمدؐ نکال دی! سنبھل جا، کہیں دیر نہ ہو جائے کہ ''تیرے اعمال اکارت ہو جائیں اور تجھے خبر بھی نہ ہو'' (سورۃ الحجرات)

تو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آئی ہے'' (سورۃ المائدہ) تمام مفسرین خواہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ (تفسیر ابن عباس) ہو یا علامہ آلوسیؒ (روح المعانی) ہو امام سیوطیؒ (تفسیر جلالین) ہو یا امام فخر الدین رازیؒ (تفسیر کبیر) ہو سب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ یہاں نور سے مراد ذاتِ سرورِ کائناتؐ ہے۔ پھر ضروری تھا کہ نور اور کتاب کا سلسلہ جڑا ہوا ہو۔ رسول اللہ کی پوری زندگی قرآنی تھی۔ دراصل قرآن متن ہے اور سیرت النبیؐ اُس کی تفسیر اس لئے حضور کو شارح علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ کی نبوت کا مقصد یہ تھا کہ حُسنِ اخلاق کی تکمیل فرمائیں۔ انسان کو انسانیت کا احترام سکھلائیں۔ اورنگ زیب کے بھائی دارالشکوہ نے شاہ محبّ اللہ الہ آبادی کو لکھا، کیا حکومت ہندو اور مسلمان میں فرق کر سکتی ہے؟ آپ نے جواب دیا، نہیں اس لئے کہ رسولِ اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ سبحان اللہ!

تاریخ عالم میں کوئی دوسری مثال ایسی نہیں ملے گی جس میں آپ ﷺ کی سیرت اور عمل کو اُمت نے اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں اپنانے کی کوشش کی۔ اس اتباع نے عشق ومحبت اختیار کر لی۔ علامہ اقبالؒ نے جواب شکوہ کو اس ارشاد پر ختم کیا

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

علامہ اقبالؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ اُنھوں نے خربوزہ کو صرف اس لئے نہیں کھایا، اُنھیں معلوم نہیں تھا کہ حضورؐ نے اس پھل کو کس طرح کھایا۔ یہی کامل تقلید کا نام ہے۔ بقول اقبالؒ کے عشق ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی سرزمین رسولؐ پر جوتے پہن کر نہیں چلے، یہ حضورؐ کے احترام وعزت کی بہترین مثال ہے۔ امام مالکؒ جب بھی حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو وضو کر کے مسجد کے فرش کے اگلے حصے پر بیٹھتے پھر داڑھی میں کنگھی کرتے اور پورے وقار کے ساتھ حدیث بیان کرتے۔ یہ احادیث رسولؐ کی تعظیم کا بے مثال نمونہ ہے۔

بقول مضطر مجاز کے جدید شاعری کے چار اماموں کے ایک امام قاضی سلیم نے کیا خوب التجا کی ہے ۔

اے شفیع محترم ہو کے نادم آج ہم
پھر مدینہ کی طرف آ رہے ہیں، صف بہ صف

''یا محمد مصطفیٰ، یا حبیب کبریا، پھر کرم فرمایئے، راستہ دکھلایئے، یا نبیؐ خیر الانام، یا نبیؐ اعلیٰ مقام'' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ.

☆☆☆☆

ایس۔ایم۔عارف حسین۔اعزازی خادم تعلیمات وشریک معتمد اعلیٰ انجمن،مشیرآباد،حیدرآباد

حضور ﷺ کی ''محبت'' والی ''صفت''

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔آپ ﷺ اللہ کے محبوب ترین بندہ ہیں اور اللہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے سارے بندے بھی حضور ﷺ سے محبت کریں۔لہٰذا یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

قرآن:- ''اے حبیب والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے'سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں،پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں بیشک اللہ توکّل والوں سے محبت کرتا ہے'' (سورہ آل عمران)

ماں سے محبت:- آپ ﷺ چھ سال کے تھے ماں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ میں نماز میں ہوتا اور اگر میری ماں مجھے آواز دیتی تو میں نماز چھوڑ کر ماں کے پاس چلا جاتا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے لیے ماں کا کتنا بلند مقام ہے۔

رضاعی ماں سے محبت:- آپ ﷺ کو دائی حلیمہ نے دودھ پلایا۔آپ ﷺ اپنی رضائی ماں سے بے انتہا محبت کرتے۔جب کبھی دائی حلیمہ آپؐ سے ملاقات کے لیے تشریف لاتیں تب آپؐ انکا کھڑے ہوکر استقبال کرتے اور اپنی چادر مبارک پر بٹھاتے۔جب وہ رخصت ہوتیں تب ان کو تحفے دیتے اور اونٹنی پر بٹھا کر رخصت کرتے اور نگاہوں سے اوجھل ہونے تک انتظار فرماتے۔

ازواج سے محبت:- آپ ﷺ اپنی بیویوں سے محبت سے پیش آتے یہاں تک کہ گھر کے کاموں میں ان کی مدد فرماتے، شوہر کی حیثیت سے ہر بیوی کا باری باری خیال رکھتے۔جب تہجد کی نماز کیلیے اٹھتے تب ازواج کی نیند میں خلل کیے بغیر حجرہ سے باہر تشریف لے جاتے۔اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب آپؐ کا انتقال ہوا اس وقت آپؐ کا سر مبارک عائشہؓ کے زانوں پر تھا۔

رضاعی بہن سے محبت:- آپ ﷺ اپنی رضائی بہن سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔جب کبھی رضائی بہن آپ ﷺ سے ملنے آتیں آپ ﷺ کھڑے ہوکر استقبال کرتے اور چادر پھیلا کر اس پر بٹھاتے۔جب رخصتی کا وقت آتا آپ ﷺ وداع کرنے کے لیے بستی کے باہر تشریف لاتے اور نگاہوں سے اوجھل ہونے تک انتظار کرتے۔

بیٹی کی چاہت:- آپ ﷺ اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بہت پیار کرتے۔جب کبھی فاطمہؓ آپ ﷺ کے گھر تشریف لاتیں آپ ﷺ کھڑے ہوکر استقبال کرتے اور بیٹی کی پیشانی پر بوسہ لیتے اور اپنی چادر مبارک پر بٹھاتے۔جب فاطمہ رخصت ہوتیں گھر کے دروازہ تک آکر رخصت کرتے۔

آپ ﷺ جب کبھی سفر سے واپس تشریف لاتے پہلے اپنی لخت جگر فاطمہؓ سے ملاقات فرماتے۔

نواسوں سے محبت:- اسلام کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے نواسوں حسن وحسینؓ کو بے حد چاہتے ۔آپ ﷺ کی نواسوں سے محبت کا عیاں ثبوت آپ ﷺ کے اپنے نواسوں کے ساتھ برتاؤ سے ملتا ہے۔آپ ﷺ نماز میں ہوتے اور نواسے آپ ﷺ کی پشت پر ہوتے ایسے وقت میں آپ ﷺ سجدہ طویل فرماتے یہاں تک کہ بسا اوقات آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے صحابی تشویش میں پڑ جاتے کہ آخر اتنا طویل سجدہ کیوں کیا جا رہا ہے کہیں خدانخواستہ آپ ﷺ کو کچھ ہوا تو نہیں۔

غلاموں سے انسیت:-

۱) آپ ﷺ راستہ سے گذر رہے تھے آپ ؐ کی نظر بلالؓ پر پڑی جو غلام کی حیثیت سے سخت محنت کر رہے تھے جبکہ ان کی طبیعت خراب تھی۔آپ ﷺ وہاں رکے اور ان کے کام میں مدد کی اور یہ عمل تین دن جاری رہا۔آپ ؐ کا یہ عمل بلالؓ کو اتنا متاثر کیا کی وہ آپ ﷺ کے ساتھ آنا پسند کیے اور ساتھ آگئے اور اسلام کو قبول کیے۔دنیا گواہ ہے کہ بلالؓ آپ ؐ کے بہت قریب رہے اور وقت کے باا ثر موذن کی ذمہ داری سنبھالی۔

۲) زید بن حارث غلام کی حیثیت سے آپ ﷺ کے یہاں خدمات انجام دیتے پر آپ ﷺ کبھی کام کے لیے سختی نہیں کیے جسکی گواہی خود زید دیتے ہیں۔جب زید کے والدین زید کو آزاد کروانے آئے تب زید نے والدین کے ساتھ جانے سے انکار کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کو پسند کیا۔محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے زید کو منہ بولا بیٹا بنالیا اس کی وجہ سے زمانہ ان کو زید بن محمد کہنے لگا۔

صحابی کی محبت میں آپ ؐ کا رونا:- آپ ﷺ تشریف فرما تھے ایک صحابی نے آکر سنایا کہ فلاں نے چوری کی ہے۔ اس پر آپ ﷺ توجہ نہ دی۔پھر انہوں نے دوبارہ ذکر کیا تب بھی آپ ﷺ توجہ نہیں دیئے۔تیسری مرتبہ ذکر کرنے پر آپ ﷺ توجہ دیئے اور حکم دیا کہ شرعی اعتبار سے ان کا ہاتھ کاٹ دیں۔جب خاطی کا ہاتھ کاٹا جا رہا تھا آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے تھے۔اس پر صحابہؓ پریشان ہوگئے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے۔آپ ﷺ نے کہا کہ میرے امتی کا ہاتھ کاٹا جائے تو میں کیسے برداشت کرسکتا ہوں۔یہاں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے امتیوں سے کتنی محبت کرتے تھے۔

کچرا پھینکنے والی کی فکر:- جب آپ ﷺ راستہ سے گذرتے اس وقت ایک بوڑھیا آپ ﷺ پر روزانہ کچرا پھینکتی۔ایک دن آپ ﷺ پر کچرا نہیں گرا۔اس پر آپ ﷺ اس بوڑھیا کی خیریت پوچھنے اس تک پہونچے تب وہ بوڑھیا چونک گئی۔اس بوڑھیا نے پوچھا کہ آپ کون ہیں تب آپ ﷺ نے بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں،اس پر بوڑھیا فوری اسلام کو قبول کیا اور ذکر کیا کہ میرے ذہن میں بدگمانی تھی، واقعی آپ اللہ کے پیغمبر ہو۔

امتیوں سے محبت:- ایک دفع جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے جو بظاہر رنجیدہ محسوس ہو رہے تھے۔اس پر آپ ﷺ نے اس کی وجہ دریافت کی۔جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ نے جہنم کا نظارہ کروایا۔جہنم میں جہنمی چھ درجات میں تھے،چھٹے درجہ میں منافقین،پانچویں میں مشرکین،چوتھے میں سورج وچاند کی پرستش کرنے والے،تیسرے میں آتش کی پرستش کرنے والے،دوسرے میں یہودی،اور پہلے درجہ میں آپ ﷺ کے امتی دیکھے گئے۔اس پر آپ ﷺ کافی رنجیدہ ہوگئے۔آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر اپنے حجرہ

تشریف لے جاتے اور رو رو کرامت کیلیے دعا کرتے پائے گئے۔ یہ عمل تین دن تک جاری رہا اس پر باری باری سے ابوبکر، عمر، علیؓ حجرہ میں جا کر آپ ﷺ سے بات کرنے کی کوشش کئے پر آپ ﷺ دروازہ نہیں کھولے۔ تب فاطمہؓ کو جا کر بات کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ جب فاطمہؓ دروازہ کھٹ کھٹائی تو آپ ﷺ نے دروازہ کھولا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ فاطمہؓ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کا جہنم ہونے کا ذکر کیا اور رو رو کر امتیوں کی بخشش کے لیے اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں۔ یہاں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے امتیوں سے کس قدر محبت کرتے تھے اور ان کی فکر میں کتنے آنسوں بہائے ہیں۔

یقیناً امتیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ماں باپ- اولاد اپنی جان اور دنیا کی سب سے محبوب شے سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کریں جو ان شاء اللہ دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالی ہم تمام امتیوں کو آپ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنیوالا بنائے۔ آمین۔

کیا آج کا انسان بالخصوص مسلمان اپنی ماں، بہن، بیٹی، کو وہ محبت دے پا رہا ہے اور کیا پڑوسی اور اپنے ملازم کو اس طرح کی عزت دے رہا ہے جب کہ رحمت العالمین کا ایک ایک عمل انسانیت کے لیے عملی سبق ہے اور قیامت تک رہے گا۔

زمانہ شاہد ہے کہ ''دورِ جدید'' جو علم کے اعتبار سے ''ترقی یافتہ'' کہلاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور ''مصنوعی ذہنیت'' کے استعمال سے مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہا ہے۔ پر بے انتہا افسوس کہ محبت اور عزت دینے والے عمل سے میلوں دور ہے۔ آج بھی انسانیت کو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کے عملی سبق پر ضرور عمل کرے۔ تب ہی دنیا میں انسان کو ذہنی و سماجی سکون میسر ہوگا اور اقتدار کے حصول کی حوص میں انسانوں کے درمیان پھیلائی گئی نفرت کی فضاء دور ہوگی اور نہ صرف دنیا میں سکون میسر ہوگا بلکہ آخرت میں بھی کامیابی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے والا بنائے۔ آمین۔

دختر نیل ولاء جمال العسیلی۔مصر

غزل

اس سے مل کر ہوئی مخمور زلیخا کی طرح
میں بھی ہوں عشق میں مسحور زلیخا کی طرح

میرا آئین ہے ایثار کسی میرا کا
اور بے باکی ہے دستور زلیخا کی طرح

دکھ تو اس کا ہے مگر ہوں میں برابر کی شریک
دل تو میرا بھی ہوا چور زلیخا کی طرح

عشق سچا ہو، مقدس ہو تو مرتا کب ہے
عشق میں یوں ہوں میں مشہور زلیخا کی طرح

اس قدر اشک بہائے ہیں تری فرقت میں
ہو گئیں آنکھیں بھی بے نور زلیخا کی طرح

عشق کا کیا بھلا حاصل ہے سوائے اس کے
ہوش سے ہوگئی میں دور زلیخا کی طرح

بس وہی شخص ولا اس کی محبت میں مرے
جس کو رسوائی ہو منظور زلیخا کی طرح

امدادالحق بختیار قاسمی- چیف ایڈیٹر عربی میگزین ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' وصدر شعبہ عربی ادب دارالعلوم حیدرآباد (انڈیا)

ہندو مصنفین کی سیرت نگاری - ایک تجزیاتی مطالعہ (۱)

تلخیص

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اس روئے زمین کی سب سے عظیم انقلاب آفریں شخصیت ہے، آپ کے اخلاق وکردار کی پاکیزگی، افکار وتعلیمات کی بلندی، جنگی اور سیاسی حکمت عملی، کامیابی وکامرانی کی بے نظیر شرح، مقبولیت ومحبوبیت کی حیرت انگیز وسعت اور اعلی ترین انسانی اوصاف وکمالات کی حامل زندگی اپنے اندر ایسی مقناطیسی کشش (Magnetic attraction) رکھتی ہے، جو ہر انصاف پسند طبیعت کو اپنی جانب مائل ہونے پر مجبور کردیتی ہے؛ ہندو مذہب جو اپنی الگ تہذیب اور عبادت کا مخصوص نظام کا رکھتا ہے، جہاں رشی منیوں اور اوتاروں کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے، جن کے پاس قدیم مذہبی کتابیں ہیں اور دین ومذہب کے ساتھ ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔

جب اس کے پیروکار نبی آخر الزماں کی حیرت انگیز اور بے مثال زندگی سے روشناس ہوئے، تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اور فطرت سلیمہ کی حامل غیر متعصب شخصیات نے رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنا اشہب قلم دوڑایا، آپ کے پاکیزہ اوصاف وکردار کا برملا اعتراف کیا، متعصب گروہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر کیے گئے بے جا اعتراضات کی تردید کرتے ہوئے، ان کے عقلی جوابات دیے۔ قرطاس وقلم کی وادی میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کیے۔ بہت سے ہندو مصنفین نے سیرت رسول پر ایسی شاندار کتابیں لکھی ہیں، جن کی نظیر ہمارے مسلم سیرت نگاروں میں بھی کم ہی ملتی ہے؛ چنانچہ ہندو حضرات کی طرف سے مثبت انداز میں کی گئی سیرت نگاری کے بعض فن پارے تو ایسے ہیں کہ ان کے مطالعہ کی گہرائی اور استنباط نتائج پر حیرت ہوتی ہے، چند کتابیں تو اس قدر عقیدت کے ساتھ لکھی گئی ہیں کہ کہ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی: ''ان کے حرف حرف سے عشق ومحبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور ایک مسلمان کو بھی اس خلوص نیت پر رشک آنے لگتا ہے۔ (۱)

یہ سنہرا سلسلہ ماضی بعید سے چلتا ہوا آرہا ہے، حال تک قائم ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں ہندو مصنفین کی سیرت کے موضوع پر کتابوں کا بڑا قابل قدر ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ برصغیر کا خطہ اس حوالے سے بہت زرخیز ہے کہ یہاں کے ہندو شعراء، ادبا، فلاسفرز، سیاسی قائدین، مورخین اور مولفین کی ایک بڑی تعداد ہے؛ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں منظوم ومنثور ہر دو اصناف میں عقیدت ومحبت کے فن پارے پیش کیے ہیں، مذہبی تقریریں، اخباری بیانات، سیاسی تقریریں اور نعتیہ اشعار کو چھوڑ کر صرف ایسی کتابوں کی فہرست تیار کی جائے؛ جن میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور حیات کو سوانحی انداز میں پیش کیا گیا ہے، تو ایسی کتابوں کی اچھی خاصی تعداد ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں، جن کو ہم مستقل کتب سیرت کہہ سکتے ہیں، اس کے علاوہ ہمیں ایسی

کتابوں میں بھی سیرت پر مواد ملتا ہے، جو بانیان مذاہب، منظوم کتب سیرت اور تاریخی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ ہندؤوں کی سیرت نگاری کے عہد پر غور کرنے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ ہندؤوں کی طرف سے بیشتر سیرت لٹریچر ۱۸۵۷ء-۱۹۴۷ء کے درمیانی عرصہ میں وجود میں آیا ہے۔(۲)

ہم نے اپنے اس مقالہ میں اس موضوع کی دستیاب شدہ متعدد کتابوں تعارف پیش کیا ہے، ان کے اسلوب بیان پر روشنی ڈالی ہے، ان کتابوں کی خصوصیات کو نمایاں کیا ہے، ان کے بعض اہم اقتباسات بھی نقل کیے گئے ہیں، ہم نے اس موضوع پر لکھی گئیں زیادہ سے زیادہ کتابوں تک پہنچنے کی اپنی حدتک کوشش کی ہے۔

(۱)سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام

اس کتاب کے مصنف شردھے پرکاش دیو جی ہیں، وہ براہمو دھرم کے پرچارک اور مبلغ ہیں، لاہور کے برمھ مندر میں ان کا قیام تھا، مصنف کتاب ہادی عالم نبی آخرالزمان کی شان میں اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت محمد صاحب بانیٔ مذہب اسلام جن کی سوانح عمری کا یہ مختصر سا خاکہ ہے، منجملہ ان بزرگ اشخاص کے ہیں، جنھوں نے قانون قدرت کے موافق جہالت اور تاریکی کے زمانے میں پیدا ہوکر دنیا میں بہت کچھ صداقت کی روشنی کو پھیلا دیا اور لوگوں کو روحانی ودنیاوی ترقی کا راستہ دکھایا ہے۔......ریگستان عرب کے لیے محمد صاحب کا وجود اس کی عزت وعظمت کا باعث ہے؛ بلکہ آں حضرت ﷺ کی ذات سے جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لیے نہ صرف عرب؛ بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکرگزار ہونا مناسب ہے۔کون کونسی تکلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسل انسانی کے لیے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں اور کیا کیا مصیبتیں ان کو اس میں اٹھانی پڑیں؟ عرب جیسے ایک وحشی اور کندہ ناتراش ملک کو خدا کی توحید کی تعلیم دینا اور سیدھے راستہ پر لانا ایک ایسے ہی فلسفی مزاج کا کام تھا اور آخر اسی سے انجام ہوا۔تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ کی نسبت کچھ ہی کہیں؛ لیکن جو لوگ انصاف اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد صاحب کی ان بے بہا خدمات کو کہ جو وہ نسل انسان کی بہبودی کے لیے بجالائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہوسکتے۔''(۳)

مصادر سیرت کے تعلق سے مصنف کتاب کی رائے کا تحقیقی جائزہ:

شری پرکاش دیو جی نے اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں سیرت کی کتابوں اور اس کے مصادر کے علمی اور استنادی معیار کے بارے میں بڑی حیرت انگیز اور غیر تحقیقی بات لکھی ہے:

''آں حضرت ﷺ کے حالات میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ زیادہ تر عربی زبان میں ہی لکھی گئی ہیں، جن تک اردو خواں پبلک کی دسترس نہیں ہے؛ اس کے علاوہ عربی میں بھی جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں واقعات کی تحقیق وتنقید کے بجائے خوش اعتقادی اور توہمات سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ان کتابوں کو اگر اردو میں ترجمہ بھی کیا جائے تب بھی اہل اسلام کے سوا دیگر مذاہب کے پیرو ان کتابوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔''(۴)

جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام ہادیان عالم میں سے کسی شخصیت کی زندگی اتنی مضبوط سندوں، مضبوط ذرائع اور تحقیقی روایتوں سے نقل کی گئی ہوں، جتنی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کیا گیا ہے، علمی اور

استنادی اعتبار سے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے زیادہ کوئی سیرت معتبر نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ پر لکھی معتبر کتابوں میں کوئی ایک بات بھی نہیں پیش کی جا سکتی، جس کی بنیاد ''توہمات'' پر قائم ہو، نیز ''خوش اعتقادی'' میں بھی سیرت نگاروں نے ایسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا، جس کا حقیقت حال سے تعلق نہ ہو؛ ممکن ہے ''خوش اعتقادی اور توہمات'' جیسے الفاظ کے ذریعہ شری پرکاش دیوجی کا اشارہ معجزات کی طرف ہو، جنہیں غیر مذہب کے لوگ ہضم نہیں کر پاتے؛ چاہے اس کی سند کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ ہمارے اس خیال کی تائید اخبار زمیندار سے ہوتی ہے، جس میں اس کتاب کے اشتہار اور تعارف کے ذیل میں لکھا ہے:

> ''گو مصنف صاحب معجزات اور وحی کے قائل نہیں تھے؛ مگر ان کی تحریر صاف طور پر ثابت کر رہی ہے کہ اس کتاب ہیرو فی الحقیقۃ کامل اور اکمل بشر اور اپنے راسخ اور سچے متبعین کے لیے ذریعہ نجات وفلاح تھا۔''(۵)

تالیف کا پس منظر

مصنف نے دیباچہ میں اس احساس کا شدت سے اظہار کیا ہے کہ ان کے زمانے تک سیرت پر کتابیں یا تو عربی زبان میں تھیں یا انگریزی میں، جن تک عام لوگوں کی پہنچ مشکل تھی، یا بعض ایسی تھیں جن میں سیرت کے کسی ایک پہلو کو ہی لیا گیا تھا؛ لہٰذا اردو زبان میں مکمل سیرت کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی؛ اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے انہوں نے یہ کتاب تالیف کی؛ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''ہماری خواہش ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو ہر ملک اور ہر مذہب کے بزرگ اشخاص کی زندگی کے حالات سے واقف کیا جاوے؛ اس لیے ہم پر محمد صاحب کی سوانح عمری کا لکھنا بھی فرض تھا؛ مگر ہم کو تردد یہی تھا کہ ہم ان کی سوانح عمری کے لکھنے میں کس طرح کامیاب ہوں گے، اگرچہ انگریزی کتابوں سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے؛ مگر تاہم اس سے ہمارا اطمینان نہیں ہوتا؛ لیکن شکر ہے کہ ہمارے ایک دوست نے اس کام کی ذمہ داری کو اپنے اوپر لیا اور آخر بڑی محنت اور تلاش کے بعد انھوں نے حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری کا کچھ حال قلمبند کرکے دیا ہے؛ اگرچہ یہ حال بہت مختصر ہے۔''(۶)

کتاب کا تعارف

یہ کتاب تاریخی لحاظ اور مذہبی اعتبار سے اردو لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ ہے، کتاب کا بیانیہ اور مضامین سیرت کے حوالے سے مصنف کی وسعت معلومات کا عکاس ہے۔ کتاب انصاف پسندی کا نمونہ اور تعصب سے پاک ہے، کتاب کی زبان اتنی سلیس اور پیرایہ بیان اتنا دل چسپ ہے کہ کتاب ختم کیے بغیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتی، پڑھنے والے کے دل ودماغ میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت، عزت، ادب واحترام جاگزیں ہو جاتی ہے۔ مصنف نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو ایسی منصفانہ طرز سے مگر ساتھ ہی ایسی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بہت اعتراضات جو اکثر متعصب مخالفین اسلام جیسے آریہ یا پادری صاحبان کیا کرتے ہیں جیسے جنگوں کے متعلق یا نبی ﷺ کے تعدد ازدواج کے متعلق وغیرہ ان کی تردید ساتھ ساتھ ہی ہوتی چلی گئی ہے۔

کتاب ۱۹۰۷ء میں لکھی گئی ہے، اس کی متعدد اشاعتیں منظر عام پر آچکی ہیں، ہمارے سامنے چوتھی اشاعت ہے، جو چھوٹے سائز میں (۱۳۴) صفحے کی ہے، کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت کے عرب کی سماجی اور مذہبی حالت کو بیان کیا گیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب، بچپن

کے ایام اور سن بلوغت سے (۲۵) سال کی عمر تک کے احوال، رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ کے رشتے، ملکی مفاد میں کوشش، زید بن حارثہ کو آزاد کرنا، گوشہ نشینی کی طرف میلان، معبود برحق کی طرف توجہ، صداقت کا ظہور، درجہ نبوت، حضرت خدیجہ اور حضرت علی اور دیگر حضرات کا ایمان لانا، قریش کا مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانا، مسلمانوں کا ترک وطن کر کے ابی سینا کی طرف ہجرت کر جانا، خواجہ ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ پر قریش کا ظلم، طائف کا واقعہ، حضرت سودہ کے ساتھ نکاح اور سیدہ عائشہ کے ساتھ نسبت، دعوت وتبلیغ میں ثابت قدمی، چند اہل مدینہ کا ایمان لانا اور ان کا عہد و پیمان، معراج کا واقعہ، آپ ﷺ کے قتل کی سازش اور ہجرت کا واقعہ، انصار ومہاجرین کے درمیان کے مواخات، مسجد نبوی کی تعمیر، وعظ ونصیحت، سیدہ عائشہ سے ازدواج، سیدہ فاطمہ اور حضرت کا نکاح، انتظام خانہ داری، اہل مدینہ سے عہد و پیمان، یہود اور قریش کی عداوت، قریش کا مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں اور معرکہ بدر، قریش کا مدینہ پر دھاوا، رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالی پر بھروسہ اور یقین، سیدہ حفصہ سے نکاح، سیدہ ام کلثوم کا حضرت عثمان غنی سے نکاح، قریش کا دوسرا حملہ اور احد کی لڑائی کا مفصل حال، بنوالمصطلق کی سرکشی اور شکست، سیدہ جویریہ بنت الحارث کے ساتھ رشتہ ازدواج، غلاموں کی آزادی، عبد اللہ بن ابی کی شرارت، سیدہ عائشہ پر بہتان، غزوہ خندق، بنو قریظہ پر چڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کی یاد وطن، حج کا شوق، مکہ والوں کے ساتھ صلح، آس پاس کے شہنشاہوں کے ساتھ سفارتیں، یہودیوں کی سرکشی اور خیبر پر چڑھائی، حجۃ الوداع کا واقعہ، اہل روما پر چڑھائی، فتح مکہ، ۹ تا ۱۰ ہجری کے مختصر واقعات اور نبی ﷺ کی وفات، ان عنواین کے تحت کلام کیا گیا ہے۔

اس طرح یہ کتاب اختصار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اہم مراحل پر محیط ہے۔

کتاب کے تعلق سے خواجہ الطاف حسین حالی کا درج ذیل تبصرہ بڑا وقیع ہے:

اس کتاب کی نسبت جو کچھ میں نے اخباروں میں دیکھا اور لوگوں سے زبانی سنا تھا، اس سے بہت زیادہ اس کو تعریف کے لائق پایا، معزز مصنف نے یہ کتاب لکھ کر سچائی اور حق پسندی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے، جس کی ہم سب ہندوستانیوں کو تقلید کرنی چاہیے۔(۷)

محل نظر مقامات:

رسول اللہ ﷺ نے غار حرا کس عمر سے جانا شروع کیا اس کے بارے میں مولف لکھتے ہیں:

> ''محمد صاحب کی عادت تھی کہ وہ آٹھ برس ہی کی عمر سے باہر پہاڑوں اور بیابانوں میں اکیلے پھرا کرتے اور صحیفہ فطرت (نیچر) کا سبق پڑھتے تھے۔ وہ ایک سنسان غار میں جو تاریخ میں غار حرا کے نام سے مشہور ہے جا کر اپنے وقت کا بہت سا حصہ صرف کیا کرتے تھے۔''(۸)

حالانکہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے (۳۵) سال کی عمر کے بعد غار حرا میں خلوت گزینی اختیار کی۔ آٹھ برس کی بات کہیں مذکور نہیں۔(۹)

پہلی وحی کے سلسلہ میں صفحہ(۲۹) کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

> ''مگر بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرشتہ کوئی نہیں آیا، صرف ان کے دل ہی میں یہ القاء ہوا تھا اور خود بخود ان کی زبان سے یہ پانچ آیتیں نکلی

تھیں۔''(۱۰)

حالانکہ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے، سب اس پر متفق ہیں کہ پہلی وحی کے موقع پر جبرئیل تشریف لائے تھے اور انھوں نے سورہ علق کی ابتدائی آیتیں رسول اللہ ﷺ کا پڑھوائی تھیں۔

ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ اپنے مکان سے ابوبکرؓ کے مکان کس طرح تشریف لے گئے، اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ مکان کے پچھلی طرف سے کود کر ابوبکر کے ہاں چلے گئے اور وہاں سے دونوں راتوں رات بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔''(۱۱)

جبکہ اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی روایت کتب سیرت میں ملتی ہے۔ ہجرت کے متعلق تمام روایات میں واضح طور پر یہ چیز ملتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے گھر کے دروازے میں سے قریش کی آنکھوں کے سامنے گئے اور کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔

احد کے موقع پر مسلمانوں کی فوج میں سے جنگ سے قبل مدینہ واپس لوٹنے والے تین سو منافقین کے بارے میں شردھے پرکاش دیو جی لکھتے ہیں کہ وہ یہودی تھے:

''اہل اسلام کی کل فوج گنتی میں ایک ہزار ہوئی، جن میں سے تین سو یہودی تھے، جن پر اہل اسلام کو پورا بھروسہ نہ تھا؛ اس لیے وہ تین سے کو تین سو واپس ہوگئے۔''(۱۲)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تین سو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے، جو قبیلہ خزرج کے سرداروں میں سے تھا۔

عہد شکنی اور غداری کی پاداش میں بنو قریظہ کے کتنے لوگ قتل کیے گئے، اہل سیر کا اس میں اختلاف ہے، سیرت نگاروں نے یہ تعداد (۶۰۰) سے (۷۰۰) کے درمیان لکھی ہے؛ لیکن اس کے برعکس شردھے پرکاش دیو جی لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں کہ تقریباً (۲۵۰) مجرم جرم بغاوت میں سزائے موت سے سزایاب ہوئے۔''(۱۳)

فتح مکہ کے بیان کے ذیل میں ہندہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مسماۃ ہندہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی، یہ ابو سفیان کی بیوی تھی، جس نے اپنے شوہر کی ڈاڑھی پکڑ کر اسے جوتیوں سے پیٹا تھا کہ یہ مسلمان کیوں ہوگیا۔''(۱۴)

حالانکہ جوتیوں سے مارنے کی بات کہیں نہیں ملتی، اتنی بات ضرور ملتی ہے کہ اس نے ابوسفیان کو برا بھلا کہا تھا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) دارا، گوردت سنگھ، رسول عربی، مجلس اردو ماڈل ٹاؤن لاہور، ۱۹۴۱ء، صفحہ ۱۱، بحوالہ: ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ- روایات سیرت کے تناظر میں، صفحہ ۲۷۷۔

(۲) پروفیسر حافظ محمد نعیم، ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ- روایات سیرت کے تناظر میں، جہات الاسلام، سیرت نمبر، جلد ۴، (جولائی-دسمبر ۲۰۱۰ء جنوری-جون ۲۰۱۱ء) شمارہ ۱، ۲، صفحہ ۲۷۶-۲۷۷)

(۳) شردھے پرکاش دیو، دیباچہ کتاب حضرت محمد صاحب، صفحہ ۳، ۴۔

(۴) حوالہ بالا، صفحہ ۵۔

(۵) اخبار زمیندار، ۲۸/نومبر ۱۹۰۷ء، بحوالہ حضرت محمد صاحب، صفحہ ۵۔

(۶) حوالہ بالا، صفحہ ۵۔

(۷) دیباچہ کتاب حضرت محمد صاحب، صفحہ ۲۔

(۸) حضرت محمد صاحب بانی اسلام، ص ۲۰۔

(۹) جہات الاسلام، سیرت نمبر، جلد ۴، شمارہ ۱، ۲، صفحہ ۲۷۸۔

(۱۰) حضرت محمد صاحب بانی اسلام، ص ۲۹۔

(۱۱) حوالہ بالا، ص ۵۸۔ (۱۲) حوالہ بالا، ص ۴۷۔

(۱۳) حوالہ بالا، ص ۹۲۔ (۱۴) حوالہ بالا، ص ۵۸۔

امانت علی قاسمی۔استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

بیت المقدس اور فلسطین کے حوالے سے
یورپین افتاء کونسل کا فیصلہ

اس وقت مسئلہ فلسطین پوری دنیا کے مسلمانوں کی توجہ کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔آج ہر دردمند مسلمانون کا کلیجہ نکلا جارہا ہے۔ذہن و دماغ پر فلسطینی بچوں کے لہو،کفن میں لپٹی لاشیں،درد سے کراہتی ان کی آہیں،مکانات کے ملبے سے باہر آتے ان کے ہاتھ،جسموں سے رستے خون،بموں کی گھن گرج کے سایے میں ان کی معصومیت،ماؤں کے اجڑے گود،مکانوں پر گرتے فولادی بم اور عام شہریوں پر ٹینکوں اور توپوں کی بکتر بند گاڑیوں سے اندھا دھند حملوں نے سارا سکون غارت کردیا ہے،راتوں کی نیندیں لے لیں اور دنوں کا سکون چھین لیا ہے اور یہ کیفیت کسی ایک دو مسلمانوں کی نہیں کسی ایک شہر کے مسلمانوں کی نہیں پوری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کی ہے جو لوگ کر سکتے ہیں کر رہے ہیں شہروں اور گاؤں میں بچے روزہ رکھ رہے ہیں دعائیں کر رہے ہیں قنوت نازلہ کا اہتمام ہو رہا ہے اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ ہو رہا ہے اسلام نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو جس اخوت کے رشتے میں باندھ دیا ہے اور جس طرح پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا ہے اس کا فطری تقاضا یہی ہے اس لیے ہندوستان کے مسلمان ہوں یا مراکش کے، تنزانیہ کے ہوں یا افریقہ کے دوسرے ملکوں کے، یورپ کے ہوں یا ایشیاء کے،عرب کے ہوں یا عجم کے بلکہ اس مرتبہ انسانیت کا جس طرح قتل ہوا ہے اس نے مغرب کے یہود کو بھی شرمسار کردیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب سے زیادہ اس انسانی خون ریزی کے خلاف یورپ میں احتجاجات ہو رہے ہیں، ہاں کچھ عرب حکمرانوں کی بے حسی کو دیکھ کر دکھ ضرور ہوتا ہے ان کی بے فائدہ میٹنگوں کو دیکھ کر لگتا ہے کاش انہوں نے اس پر اجلاس نہ بلایا ہوتا اور مسلم حکمرانوں کا کم از کم بھرم باقی رہ جاتا کہ مسلم حکمراں اس سفاکیت و درندگی پر چراغ پا ہیں ان کا خون کھول رہا ہے لیکن اس اجلاس نے تو یہ ثابت کیا کہ ان کا خون پانی ہو چکا ہے اس سے تو یورپ کے علماء بہت بہتر ہیں جنہوں نے 2001 میں اسرائیلی مصنوعات کے بائیکاٹ کا فیصلہ آئرلینڈ کے اپنے سالانہ اجلاس میں کیا تھا اور 2000 میں آئرلینڈ کے سالانہ اجلاس میں القدس اور مسئلہ فلسطین پر تاریخی فیصلہ کیا جس کا عنوان ہے۔

القدس سے دست برداری اللہ، رسول اور اہل ایمان سے غداری ہے۔

اس فیصلے کا متن ملاحظہ فرمائیں:

ارض اسلام کے کسی جزء سے دست برداری کسی کے لئے جائز نہیں، کیونکہ ارض اسلام کے سلسلے میں کسی رئیس کسی

امیر کسی وزیر یا کسی جماعت کو یہ حق نہیں کہ وہ حالات کے جبر اور دباؤ کے باعث اس سے دست بردار ہو جائے۔ تمام افراد اور جماعتوں پر ممکنہ وسائل کے ساتھ غاصبانہ قبضہ کا مقابلہ اور بیت المقدس کو آزاد کرا کے اسے دارالاسلام میں لوٹانا واجب ہے۔ اگر امت کی ایک نسل اس فرض سے عاجز ہو جائے یا اس سے غفلت برتے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ قیامت تک کی آنے والی نسلوں پر بھی وہ اپنی یہ بے بسی اور غفلت تھوپے، اس لئے کونسل کا فتوی ہے کہ القدس یا فلسطین کی کسی بھی جگہ میں دشمنوں کے ہاتھ زمین بیچنا یا وہاں کے گھر سے بے گھر کئے گئے پناہ گزینوں کی طرف سے معاوضہ قبول کرنا حرام ہے، کیونکہ دار الاسلام سے دست برداری یا اس کا معاوضہ لینا کسی بھی حال میں جائز نہیں، جو ایسا کرے گا وہ اللہ، رسول اور اہل ایمان سے خیانت کرے گا۔ یہ حکم عام اسلامی اراضی کا ہے اور جب معاملہ قدس شریف کا ہو جو قبلہ اول، مسجد اقصی کا شہر اور مکہ و مدینہ کے بعد تیسرا بڑا اسلامی شہر اور اسراء و معراج کی سرزمین ہے، جس کی اہمیت اور برکت کے لئے یہ کافی ہے کہ قرآن نے کہا: سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہُ ہُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ (سورہ اسراء:۱) (پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے) تو بات اور نازک ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے مسلمان مشرق میں ہوں یا مغرب میں القدس ان کے دلوں میں ہے۔ وہ اس سے تعلق و محبت رکھتے ہیں۔ اس کے محترم مقامات کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس کے معاملات سے زبردست دلچسپی لیتے ہیں، اسی وجہ سے مسئلہ فلسطین مسلمانان عالم کی پہلی ترجیح ہے، اس کے لئے وہ لڑ رہے ہیں اور اس کے راستہ میں ہر قسم کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ القدس صرف فلسطینیوں کا نہیں وہ تمام مسلمانوں کا ہے، عرب ہوں یا عجم، اسی طرح وہ تمام عربوں کا ہے۔

مسلمان ہوں یا عیسائی

فلسطینیوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تنہا القدس کا فیصلہ کر لیں اور مسلمانان عالم کو نظر انداز کر دیں لیکن ساتھ ہی تمام مسلمانان عالم پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ بیت المقدس اور مسجد اقصی کے تحفظ کے لئے جو بھی بن پڑتا ہو کریں، یہ سب کا اجتماعی فرض ہے، سب کے اپنے تمام وسائل اس کی حفاظت کے لئے اکھٹا کرنے ضروری ہیں، ورنہ سب گنہ گار ہوں گے، جیسا کہ فرمایا گیا: یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ مَا لَکُمْ إِذَا قِیْلَ لَکُمُ انفِرُواْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَی الأَرْضِ أَرَضِیْتُم بِالْحَیَاۃِ الدُّنْیَا مِنَ الآخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا فِیْ الآخِرَۃِ إِلاَّ قَلِیْلٌ . إِلاَّ تَنفِرُواْ یُعَذِّبْکُمْ عَذَاباً أَلِیْماً وَیَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَیْرَکُمْ وَلاَ تَضُرُّوہُ شَیْئاً وَاللّٰہُ عَلَی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (سورہ توبہ: ۳۹،۳۸) (اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستہ میں کوچ کرو تو تم زمین سے لگے جاتے ہو، کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر ہی ریجھ گئے ہو سنو! دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ یونہی سی ہے، اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا، تم اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

اس سے پہلے بھی جب صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا تو اس کی آزادی کے لئے غیر عرب مسلمانوں نے ہی کام کیا تھا مثلاً عماد الدین زنگی، ان کے بیٹے نور الدین زنگی شہید اور ان کے شاگرد صلاح الدین ایوبی کردی جن کے ہاتھ پر اللہ نے القدس کو آزاد کیا اور آج بھی پوری دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ سے زائد مسلمان القدس کے نام پر قربانیاں دینے کے لئے تیار رہیں۔ یہ جذبہ مشرق میں فلپائن اور انڈونیشیا سے لے کر مغرب عربی میں موریتانیا تک دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر بعض مسلمان حکمرانوں کی طرف سے اس قسم کے جذبہ کا کوئی اظہار نہیں ہوتا تو یہ افسوس ناک بات ہے۔ القدس دار الاسلام، ارض اسلام اور وطن اسلام کا ایک حصہ ہے، مسلمان یہاں چودہ سو سال سے رو رہے ہیں۔ انہوں نے اسے یہودیوں سے چھینا نہیں تھا، کیونکہ ان کی فتح سے سینکڑوں سال پہلے یہاں سے یہودیوں کا وجود ختم ہو چکا تھا، ان کی سلطنت بھی سینکڑوں سال پہلے ختم ہو چکی تھی، ان کی حکومت فلسطین میں صرف چند سو سال ہی رہی، جبکہ یبوسی عرب ہزاروں سال یہاں رہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے اسے عیسائی پیٹر پارک صفرنیوس سے لیا تھا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ یہاں یہودی نہ رہیں گے، اس لئے القدس پر مسلمانوں، عربوں اور فلسطینیوں کا کنٹرول ہونا ضروری ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو پوری آزادی اور رواداری سے یہاں مذہبی رسوم ادا کرنے کی اجازت ہوگی جیسا کہ اسلام کا دستور اور تعامل رہا ہے: **واللہ غالب علی أمرہ ولکن أکثر الناس لا یعلمون** (سورہ یوسف) (اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں)۔

حافظ وقاری ولی محمد زاہدؔ ہریانوی۔ بزمِ چراغِ ادب حیدر آباد

اس سرزمیں کی ہم کو حفاظت پہ ناز ہے

ظالم کو اپنی ظاہری طاقت پہ ناز ہے
ہم کو خدائے پاک کی عظمت پہ ناز ہے

قاتل ہیں انبیاءؑ کے جو گمراہ آج بھی
ہم اہلِ حق سے ان کو عداوت پہ ناز ہے

تحریف صحیفوں میں جو کرتے رہے سدا
اُن کو بھی آج اپنی عبادت پہ ناز ہے

وہ لے رہے ہیں کام جو مکر و فریب سے
ہم مومنوں کو اپنی صداقت پہ ناز ہے

اب کہہ رہے ہیں اہلِ فلسطین فخر سے
ہم خوش نصیب ہیں ہمیں قسمت پہ ناز ہے

تحریف تا قیامِ قیامت نہ ہو سکے
ہم کو کلامِ رب کی تلاوت پہ ناز ہے

پیدا ہوئے ہیں سینکڑوں پیغامبرؑ جہاں
اُس سرزمیں کی ہم کو حفاظت پہ ناز ہے

اپنے وطن کو چھوڑ کے ہرگز نہ جائیں گے
اِس سرزمیں پہ ہم کو شہادت پہ ناز ہے

جو لڑ رہے ہیں قبلۂ اوّل کے واسطے
بے باک ہم کو ایسی جماعت پہ ناز ہے

رکھتے ہیں دل میں آرزو فتحِ مبین کی
زاہدؔ ہمیں بھی رب کی عنایت پہ ناز ہے

سید عظمت اللہ بیابانی-حیدرآباد

ایک گمنام مجاہدِ آزادی

عوام کی رہبری کے لئے قدرت کے ایسے انتظامات ہوتے ہیں جسے ہر ایک کے سمجھنے کی بات نہیں۔کبھی جو میر کارواں ہوتا ہے، وہ غیر معمولی قوتوں کا پیکر ہوتا ہے تو کبھی ایک مورِ ناتواں کی حیثیت والا۔جغرافیائی حالات بادشاہوں اور حکمرانوں کے برتاؤ سے بھی کچھ شخصیات جگہ بدلنے میں آر نہیں سمجھتے۔

ایک بزرگ اعظم جن کو سید دادا پیر بیابانی قادری چشتی کے نام سے جانے جاتے ہیں، اپنے وطن بیجاپور میں قیام کے دوران مراٹھا حکمران کی جنگی صعوبتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی اولاد کو بیجاپور سے علاقۂ بیگن پلی جو اب علاقہ کرنول جو آندھرا پردیش میں ہے، بھجا دئے۔ بیجاپور میں اس بزرگ ہستی کے کئی کارنامے مشہور ہوئے جو بلا مذہب وملت ان کی قدر و قیمت کرتے تھے۔ دینی ومذہبی تعلیم عام کرنے میں اس بزرگ کا بہت بڑا حصہ رہا۔خاص طور سے ان تعلیمات کا اثر گھریلو افراد کو زیادہ فائدہ پہنچایا۔چھوٹے چھوٹے نصیحت آمیز مواد سے لوگوں کو فیض پہنچایا۔پرانی کتابیں جو لائبریریوں میں میسر ہیں ان میں چکی نامہ،لوری نامہ اور طرح طرح کے گیت مشہور ہیں۔

ان بزرگ کی اولاد سے حکیم سید غوث پیر بیابانی قادری چشتی اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین کی اشاعت میں مشغول ہوئے۔دینی خدمت کے ساتھ ساتھ سماجی خدمت کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا۔کئی کئی جان لیوا بیماریوں کو آپ نے اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے شفا بخشی۔آپ ''اللہ شافی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔آپ کی حکمت اور شفا کی خبر دور دور تک پہنچی جس کے نتیجے میں آپ ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک کا سفر اختیار کیا۔بیگن پلی میں رہنے کے دوران اس وقت کے حکمران کی ناسازیٔ طبیعت کے سلسلے میں حکیم صاحب کو

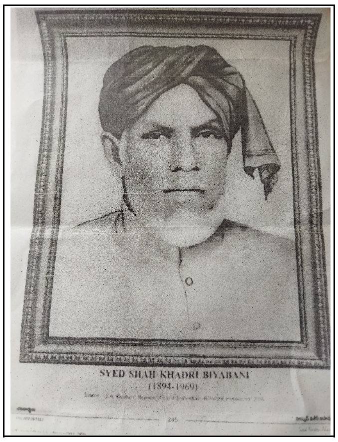

کمم (Cumbum) جو موجودہ ضلع پرکاشم، آندھرا پردیش میں ہے، کا سفر کرنا پڑا۔

کمم مقام اُن دنوں مسلم حکمرانوں اور غیر مسلم حکمرانوں کی تہذیب وتمدن میں گھرا ہوا تھا۔آپ اپنے اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے بہت سارے لوگ آپ کے حلقہ میں آنے لگے۔یہ وہ مقام ہے جہاں ایشیا کا دوسرے نمبر کا سب سے بڑا انسانی مدد سے بنا ہوا تالاب ہے جو تقریباً سات کلو میٹر لمبا اور ساڑھے تین کلو میٹر چوڑا احاطہ میں پھیلا ہوا ہے۔اس میں تقریباً سات چھوٹے چھوٹے پہاڑ بھی ہیں۔اس کا باندھ (Anicut) وجئے نگر کی شہزادی جو سری کرشنا دیوارایا کی ملکہ تھی، نے بنوایا۔اس شہزادی کے والدین اڑیسہ کے گجاپتی حکمران تھے۔اس تالاب کی وجہ سے اس علاقہ میں زراعت کافی زوروں پر تھی۔

یہ بزرگ وقفہ وقفہ سے کمم کے باسیوں کی بڑے پیمانے پر ضیافت کرتے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں تعلیمی رجحان میں کمی پائی جارہی ہے۔اس لئے انہوں نے اپنے بڑے فرزند ارجمند کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔اس نونہال کا نام سید محی الدین قادری بیابانی جو آگے چل کر مولانا سید محی الدین بیابانی رفاعی قادریؒ کے نام سے جاننے جانے لگے۔

مولانا کی پیدائش ۳/اگست ۱۸۸۵ء کو علاقۂ کمم میں ہوئی۔آپ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم میں بھی مہارت حاصل کرنا شروع کیا۔آپ کی ابتدائی تعلیم کمم اور کرنول میں

ہوئی۔ آپ کے والد کا ہمیشہ شفقت کا سایہ اُن پر رہا۔ اسی وجہ سے آپ مولانا بیابانی کہلانے لگے۔ والد محترم کی پدرانہ شفقت اور عوام الناس کا اپنے والد محترم کا احترام مولانا کو سمجھنے میں بہت مدد کی۔ ان میں عوام کی خدمت کا ولولہ خیز ہوا۔ انہوں نے تہیہ کرلیا کہ ہر طرح سے عوام کی خدمت کی جائے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انگریزوں کی دراندازی اور راجے رجواڑوں کا دبدبہ تھا۔

مولانا بیابانی نے اپنی گریجویشن کی تعلیم مشہور زمانہ مدراس کی پریسیڈنسی کالج سے کیا۔ یہ کالج کے پہلی بیاچ کے سونے کا طمغہ حاصل کرنے والے ہونہار طالب علم تھے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت سے متاثر ہوکر کئی قدر دانِ ملت آگے پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ آزادی کی کشمکش زوروں پر تھی۔ قابل قدر بزرگوں کا ساتھ رہا۔ مولانا کی تعلیمی قابلیت کو دیکھتے ہوئے ان کو ڈپٹی کلکٹر شپ کا عہدہ پیش کیا گیا جس کو مولانا نے ''انگریزوں کی غلامی نہیں کروں گا'' اور اس وجہ سے پیش کش کو ٹھکرادیا۔

مولانا سید شاہ محی الدین قادری بیابانی ایک گمنام مجاہد آزادی ہند ہیں۔ آزادیٔ ہند کے سلسلہ میں ان کی کارگزاری کو انگریزوں نے گیارہ ماہ کی سزا سنائی۔ یہی نہیں کئی بار آپ کو جیل جانا پڑا۔ ہندوستانی قومی تحریک کی طرف راغب ہونے میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا بہت بڑا اثر رہا۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور تھا۔ جب آپ جیل کی سزا کاٹ رہے تھے، اُس وقت مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ جیل میں رہنا پڑا۔ دورانِ سزا جب مولانا ابوالکلام آزاد قرآن شریف کی تفسیر لکھ رہے تھے، اس وقت مولانا بیابانی صاحب نے الفاظ کی صحت اور اس کے محل وقوع کے لحاظ سے جچتے ہوئے الفاظ کو منتخب کرنے میں اُن کی مدد کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد عربی اور فارسی کے ماہر تھے اور عام فہم اردو الفاظ کی جو عام آدمی کی سمجھ میں آسانی سے آسکے، مولانا بیابانی نے اس کام کے انجام دینے میں اپنی خدمت پیش کی، آپ چونکہ کانگریس کے رکن ہوئے، ملت کے جماعت علماء ہند کے صدر بھی رہے۔ آپ B.A.B.L کے علاوہ مولوی کامل بھی تھے۔ آپ کی خدمت کو سراہتے ہوئے اُس وقت کے کانگریس کے قدآور شخصیتوں (لیڈران) اُن کے گھر آکر ان سے ملا کرتے تھے۔ مولانا بیابانی صاحب کی جتنی بھی زمینات اُن کے قبضے میں تھیں، وہ ہم وطن غریبوں میں بانٹ دیں۔

مولانا بیابانی صاحب ایک نامور شخصیت ہونے کے باوجود ہر غریب اور عام افراد سے خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے۔ تعلیم کو عام کرنا ان کا مقصد تھا۔ ''بھوکے رہنا لیکن پڑھائی نہیں چھوڑنا'' یہ ان کا منتر تھا۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو بھی تعلیم سے جوڑنے میں بہت اصرار کیا۔ اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو بجالاتے ہوئے تعلیم کا حصول لازم قرار دیتے تھے۔ آپ اتنی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اور ڈپٹی کلکٹر شپ کی جائیداد کو ٹھکرانے کے باوجود ایک ممبر آف لجسلیٹو کونسل کے کامیاب رکن رہے۔ اس کا ثبوت مدراس کی گزٹ میں مل سکتا ہے۔ انہوں نے تعلیم نسواں پر بہت زور دیا۔ کڑپہ، کرنول کے علاقہ کو زرخیز بنانے کے لئے کونسل میں کئی بار آواز اٹھائی۔ آپ کا پیرہن ایک معمولی سی شیروانی اور سر پہ ہرا شملہ تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ ایک اونچے درجے کے پیر سے نسبت رکھتے ہیں۔ آپ قوم کی خدمت میں بغیر کسی امتیاز ہر متنفس کی مدد کرنے میں آگے رہتے تھے۔ ایک بات قابل غور ہے کہ وہ قد آور لیڈروں کے ساتھ رہا کرتے تھے، لیکن ایک تصویر بھی ایسی نہیں جس میں وہ اِن قد آور لیڈروں کے ساتھ ہوں۔ آپ تصویر کشی کو ایک ممنوعہ عمل سمجھتے تھے۔ جیسا آپ نے انگریزوں کی پیش کردہ ڈپٹی کلکٹر شپ کو ٹھکرادیا، اسی طرح انہوں نے انگریزوں کا دیا ہوا خطاب ''خاں بہادر'' استعمال کرنے سے گریز کیا۔ ان کی شخصیت اتنی مشہور ہوچکی تھی کہ خطوط صرف ''مولانا بیابانی'' کے نام سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا کرتے تھے۔

مولانا بیابانی کا ذکرِ خیر چند مقامی تلگو اخبارات اور مدراس کے کچھ تامل اخبارات میں، اس کے علاوہ کلکتہ کے اردو اخبارات میں ہلکی سی جھلک پیش کی۔ انہوں نے ۱۱ راکتوبر ۱۹۶۹ء کو آخری سانس لی۔ مولانا بیابانی کی شخصیت ایک گمنام مجاہدِ آزادیٔ ہند کی سی ہی ہے۔

تبسم اعظمی

گنگ وجمن کی خوشبو

صبح دم آتی ہے اے ہند! ترے آنچل سے
''حمد کی، نعت، کی، پوجا کی، بھجن کی خوشبو''
دھڑکنوں نے یہاں چھیڑی ہے محبت کی غزل
ہے فضاؤں میں اخوت کے سمن کی خوشبو
تیرے دامن میں اجنتا و حسیں تاج محل
تیرے کھیتوں میں ہے دہقاں کے جتن کی خوشبو
تیرے جھرنوں سے ابھرتے ہیں ترانے دلکش
روح سرشار کرے دشت و دمن کی خوشبو
میر و غالب ہوں کہ اقبال یا چکبست و فراق
تیری مٹی میں بسی ان کے سخن کی خوشبو
رنگ کی، نسل کی، تہذیب کی ہے قوسِ قزح
ہے کہاں دہر میں یہ گنگ و جمن کی خوشبو
مجھکو غربت میں بھی احساسِ وطن ہوتا ہے
جب بھی لاتی ہے صبا میرے وطن کی خوشبو
تیری مٹی پہ تصدق ہیں دل و جان سبھی
بھول سکتے نہیں ہم تیرے مَن کی خوشبو
تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی دھنک کھلتی رہے
سدا آباد رہے تیرے چمن کی خوشبو

زعیم ذومرۃ-قلعہ گولکنڈہ، حیدرآباد

غزل

وہ بام پہ آکر جب شوخی سے مچل جائیں
خاموش کئی چہرے الفاظ میں ڈھل جائیں
گرنا تو مقدر تھا اب ہم کو سنبھلنا ہے
اب اپنی یہ کوشش ہے پستی سے نکل جائیں
انسان ہیں سہہ لیں گے ہو دھوپ کہ سردی ہو
ہم موم نہیں ہیں جو گرمی سے پگھل جائیں
محبوب کی گلیوں کی ہر چیز لگے پیاری
گر دھول بھی مل جائے ہم چہرے پہ مل جائیں
جو ساخت ہماری ہے بدلے گی نہیں ہرگز
ممکن نہیں رسّی کے جل جانے سے بل جائیں
دنیا میں نہیں ممکن ارماں ہوں سبھی پورے
جنت میں سبھی ارماں ممکن ہے نکل جائیں
اوروں کو بھلائی کی کرتے ہیں نصیحت ہم
اوصافِ حمیدہ میں کیوں ہم ہی نہ ڈھل جائیں
اللہ بچالے تو ہرکو ایک برائی سے
ایسا نہ ہو لغزش میں پیر پھسل جائیں
اب خود کو بدلنا ہے بھارت میں جو رہنا ہے
ممکن نہیں بھارت کے حالات بدل جائیں
گھبرانا نہیں ہرگز تم وقت کے تیور سے
مشکل کی جو گھڑیاں ہیں مشکل نہیں ٹل جائیں
وہ آگ تعصب کی گلشن میں لگاتا ہے
منشاء ہے یہی اس کا گل سارے یہ میں جل جائیں
اللہ کی رسی کو مضبوطی سے گر تھا مو
ممکن ہے زعیم اب بھی حالات بدل جائیں

بی ایم خان مَعَالے اچلپوری۔مشیرآباد،حیدرآباد

نظم — ''غزہ''

ظلم و ستم یہ کیوں کر انسان پر ہے برپا
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

برباد ہوچکی ہے آباد پوری بستی
ہر رَہ بنی ہوئی ہے تصویر بے بسی کی
لت پت ہیں خوں میں لاشیں بچے بڑوں کی ہرسو
آیا نہ ساتھ دینے ہمسایہ کوئی جنگجو

یہ جبر وظلم کیوں کر یہ قتلِ عام بے جا
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

ملبے میں جانے کتنے انساں دبے ہوئے ہیں
جو بچ گئے ہیں غم میں دن رات رو رہے ہیں
بچے بچھڑ گئے ہیں ماں باپ کھو گئے ہیں
حاکم ہمارے اپنے بے فکر سو رہے ہیں

چیخیں نکل رہی ہیں عالم ہے حشر جیسا
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

ہائے غزہ پہ ہر سو تاریکی چھا گئی ہے
پانی نہ کھانے روٹی مجبور زندگی ہے
سر پر ہے چھت نہ رہنے کوئی نیا ٹھکانہ
افسوس کتنا بے درد بے حس ہے یہ زمانہ

قیدی بنے ہوئے ہیں خود کی زمیں پہ مولا
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

گولے برس رہے ہیں بارود کے سروں پر
سر کو چھپانے کوئی باقی نہیں بچا گھر
دیوار و در سے اونچے شعلے نکل رہے ہیں
شعلوں میں مومنوں کے ارمان جل رہے ہیں

دل پر ہے خوف طاری ٹوٹا ہوا ہے جزبہ
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

کپڑے پھٹے ہوئے ہیں پیروں میں آبلے ہیں
انجانی سمت پیدل مظلوم چل پڑے ہیں
ان قافلوں پہ ظالم بمباری کر رہے ہیں
کرنے غزہ پہ قبضہ تیاری کر رہے ہیں

یہ درد ناک منظر یہ سلسلہ غموں کا
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

شیطان حکمراں ہے اس پاک سرزمیں پر
مومن کے ساتھ کوئی مرشد نہ کوئی رہبر
ہر فرد کر رہا ہے رو کر دعا مَعالے
اے اللہ کافروں سے اقصیٰ کو تو بچالے

کیوں ملکِ انبیاء پر ابلیس کا ہے قبضہ
یہ مصلحت ہے کیسی یہ امتحان کیسا

”مولانا ابوالکلام آزاد یادگار مقابلے“

رپورتاژ: **ڈاکٹر بشیر النساء**۔ حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی

تصویر میں مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ ”صدائے شبلی“ حیدرآباد، پروفیسر شمس الہدیٰ دریابادی صدر شعبۂ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، جناب خلیل احمد اور جناب غازی الدین دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس پروگرام کو 3H Education کی جانب سے تین روزہ سمینار منعقد کیا گیا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت سے متاثر اور ان سے دلی رغبت رکھنے والے اور اس پروگرام کے روحِ رواں کے لئے ایک شعر عرض ہے، خلیل احمد صاحب کے لیے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ آتے گئے کارواں بنتا گیا

اور دوسری شخصیت ڈاکٹر سمیہ تمکین کے لیے ایک شعر پیش ہے:

میرے ہاتھوں میں خوشبو نہیں ہوتی
اگر میری زبان اردو نہیں ہوتی

یہ ایسے لوگ ہیں جو اردو کی ترقی وترویج کے لیے ایک کامیاب کوشش کر رہے ہیں یہاں مولانا ابوالکلام آزاد کا قول ہے۔

”اگر تم صرف اپنے لیے زندہ ہو تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم اپنی قوم کے لیے زندہ لاش ہے“

یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی قوم کے لیے حرکیاتی شخصیت ہے وہ صرف اپنے لیے زندہ نہیں ہے بلکہ اپنے علم وفن سے دوسروں کو روشنی پہنچا رہے ہیں۔ ۱۱ رنومبر قومی یوم تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش کے موقع پر ایک کامیاب پروگرام منعقد کروایا گیا۔

اس پروگرام میں مختلف اسکولس وکالجس نے اشتراک کیا جس میں اذان انٹرنیشنل اسکول، انٹیگرل فاؤنڈیشن اسکول، وینس ہائی اسکول، آئیڈیل انٹرنیشنل اسکول، میٹروپولیس اسکول، اور بی۔ آر کالج نے حصہ لیا۔

پہلے روز انٹیگرل ہائی اسکول میں خوش خطی کے لیے 7-11-2023 کو صبح 9 تا 10:00 بجے کو رکھا گیا جہاں پر Judeges (۱) ڈاکٹر بشیر النساء (۲) ڈاکٹر روحینہ سحر (۳) اور ڈاکٹر مصیح الزماں نے خوش خطی کے مقابلے میں مولانا آزاد کی تحریریں دی گئی تھی جس کا تمام طلبہ وطالبات نے بہت شاندار انداز میں پورا کیا۔

دوسرا مقابلہ اذان انٹرنیشنل اسکول میں (بیت بازی) 7-11-2023 تاریخ کو صبح 11:30 تا 1:30 کو رکھا گیا جس میں Judges (۱) ڈاکٹر غوثیہ بانو (۲) ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی اور ڈاکٹر بشیر النساء اور ڈاکٹر عبدالحمید صاحب اور مسیح الزماں صاحب بھی شامل رہے۔

اس بیت بازی کو مقابلے کو بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا گیا اور خوبصورت اشعار کو بڑے ہی سلیقہ کے ساتھ پڑھا اور جس سے طلباء وطلبات کا ذوق نکھر کر آیا اور یہ علم ہوا کہ نئی نسل کے طلبہ ہر موقع پر بہتر سے بہتر بڑی بے باکی کے ساتھ شعر کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا مقابلہ وینس ہائی اسکول میں بڑے پیمانے پر اور بڑے ہی خوبصورتی کے ساتھ عمل میں لا گیا اس کے صدر ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی صاحب، صفی الدین، ڈاکٹر رضیہ دانش اور ڈاکٹر زرینہ بانو اور ڈاکٹر غازی الدین صاحب نے مکمل کروایا۔ اور وینس ہائی اسکول کی پرنسپل صاحبہ طاہرہ بیگم بھی شامل رہے۔

جس میں حمد، نعت، نظم اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر پیش کی گئی۔ نعت بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ پڑھی گئی۔

دوسرے روز 8-11-2023 کو مولانا ابوالکلام آزاد کے یادگار ”مقابلے“ میں انٹیگرل ہائی اسکول کے قریب Leo Ground میں صبح 10:00 بجے تا 12:00 تک اسکول کے طلبہ وطالبات نے دوڑ لگائی۔ جس کے صدر ڈاکٹر خلیل احمد صاحب، یوسف صاحب MJ College کے پرنسپل اور Shiva sir

اورفرید صاحب کے علاوہ ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر زرینہ خانم اور ڈاکٹر بشیر النساء بھی موجود تھے۔

بہت ہی عمدہ طریقہ سے یہ دوڑ پوری کی گئی اور نتائج کا اعلان 11 نومبر کو کیا گیا اور اسی شام تقسیم اسناد اور تمثیلی مشاعرہ بھی پیش کیا گیا، جس میں مہمان خصوصی پروفیسر شمس الہدیٰ صدر شعبۂ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد اور ڈاکٹر محمد یوسف اعظم چیئر مین اذان انٹرنیشنل اسکول حیدرآباد، ڈاکٹر سمیہ تمکین اسسٹنٹ پروفیسر اردو، ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی حیدرآباد، جناب خلیل احمد صاحب 3H Education کے بانی وصدر تنظیم نے تعارفی وخیر مقدمی کلمات ادا کریں اور مولانا آزاد کی شخصیت پر کئی پہلو کو یاد تازہ کروائے۔ اردو کی اہمیت کو بتاتے ہوئے پروگرام کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر غوثیہ بانو کوٹھی ویمنس کالج کے لکچرار اور غازی الدین صاحب نے کی۔ بڑے ہی دلکش انداز میں پروگرام کو اختتام تک لائے۔

سب سے پہلے تمثیلی مشاعرہ ڈاکٹر سمیہ تمکین نے ''مولانا ابو الکلام آزاد'' پر پیش کیا۔ اور پھر ڈاکٹر بشیر النساء نے اس دو تین روزہ سمینار کی Report پیش کی اور ساتھ ہی پھر اس پروگرام کے مہمان خصوصی شمس الہدیٰ صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی پس منظر کو پیش کیا اور تعلیم وزرات کے بارے میں چند باتیں بتائے اور ادارہ کے تمام اکیڈمی سے مطابق کئی ایک رائے دیتے ہوئے مولانا کے کارناموں کو چیدہ چیدہ کیا اور زرین مشوروں سے اردو کی ترقی وترویج اور 3H Education کے بانی خلیل احمد صاحب کو مبارکباد پیش کی۔

دوسرے مہمان خصوصی اذان انٹرنیشنل کے چیئر مین ڈاکٹر محمد یوسف صاحب جو بہت ہی مخلص شخصیت کے حامی ہے آپ شعبہ اردو میں تعلیم وتربیت کے نظام کو برقرار رکھے اور شعبۂ حفظ کے ساتھ Language II اردو جو CBSC اسکول کو چلا رہے ہیں۔ آپ نے بچوں کو انعامات پیش کئے۔ اور آخر میں مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی چیئر مین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد نے اپنے زرین خیالات سے تمام طلبہ وطالبات کا شکریہ ادا کیا اور اللہ ورسول کی بات کرتے ہوئے بے حد مفید باتیں بچوں کو سبق آموز کہی۔ جو آپ کو عاجزی وانکساری بھرا لہجہ بچوں کے دلوں میں گھر کر جاتا ہے۔ اس کے بعد سارے انعامات دیئے گئے اور پروگرام کا اختتام عمل میں آیا۔

اس Report کے آخر میں راقم الحروف نے بزم میں شرکت کے لیے بچوں کا شکریہ ادا کیا اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک شعر کہا۔

کچھ تو کہئے جا نام خدا کے کچھ نہ کرنا بڑی برائی ہے
کامیابی کوئی چیز نہیں کام کرنا ہی کامیابی ہے

اور آگے اردو کے ضمن میں کہا کہ۔

اردو کوئی جسم نہیں جو فنا ہوجائے گی
تا قیامت اردو کا بول بالا رہے گا!!

اور پھر آخری کلمات جو کہے وہ یہ تھے کہ۔

لہو کہتے ہیں جان کہتے ہیں ☆ فخر ہندوستان کہتے ہیں
جو مٹانے سے مٹ نہیں سکتی ☆ اُسے اُردو زبان کہتے ہیں

بہر حال مولانا ابوالکلام آزاد ایک جامع جہات شخصیت کے مالک تھے لیکن ان کی بنیادی حیثیت مفکر کی ہے آزاد ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے وہ اس وسیع دنیا کے جس گوشے کو چاہتے سامنے لے آتے، لیکن دوسروں کو ان کی فکر ونظر کی دنیا میں جھانکنے کا بہت کم موقع دیتے، اسی ضمن میں مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں:

''خدا معلوم کتنے علوم اور متعدد فنون کے خزانے دماغ میں جمع ہوگئے تھے اور ہروقت مستحضر، طب ہو کہ الٰہیات، فقہ ہو یا کلام، شعر وادب ہو یا موسیقی تاریخ ہو کہ سیاست، جس فن سے متعلق جو بھی موضوع ہو بس گفتگو چھیڑنے کی دیر تھی......

تقریر بھی ایسی دل آویز مربوط کہ فصاحت وبلاغت بلائیں لیتی جارہی ہے''

یہ ایسی شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد جس کی یاد میں گا ہے گا ہے کئی سمینار یاد میں کئے جارہے ہیں۔

آج آپ کی یوم پیدائش کے موقع پر قومی یوم تعلیم کے طور پر ہر کالج ویونیورسٹی میں اردو کی ترقی وترویج کے لیے پروگرامس منعقد کئے جارہے ہیں۔

علماء کرام صالح معاشرے کے معمار ہیں

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی اور مولانا محمد زعیم الدین حسامی کا بیان

تصویر میں ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد، جناب محمد انور الدین صدیقی (عمرہ سے واپسی کے موقع پر بزم کی جانب سے گل پوشی وشال پوشی کی گئی) مولانا محمد زعیم الدین حسامی، حافظ نہال احمد، صدر بزم ڈاکٹر ناقد رزاقی، سید سہیل عظمی اور بانی ومعتمد بزم محمد محی الدین حسن المعروف تشکیل انور رزاقی دیکھے جاسکتے ہیں۔

بانی ومعتمد بزم سرور کونینؐ محمد محی الدین حسن المعروف تشکیل انور رزاقی کے بموجب بزم کا 135 واں ماہانہ جلسہ حالات حاضرہ اور علماء کرام کی ذمہ داریاں نعتیہ و منقبتی مشاعرہ کامل ہال، یاقوت پورہ میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت معتمد سراج العلماء اکیڈیمی مولانا محمد زعیم الدین حسامی نے کی اور مشاعرے کی نگرانی ڈاکٹر ناقد رزاقی نے کی۔ حافظ نہال احمد کی قرأت کلام پاک اور تشکیل انور رزاقی کی نعت شریف سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ مولانا محمد زعیم الدین حسامی نے حالات حاضرہ اور علماء کرام کی ذمہ داریاں کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ان حالات میں علماء دین پر بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ قوم وملت کو گمرہ ہونے سے بچائیں۔ اُنہیں قرآن وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہدایت کریں۔ بلکہ اس نازک دور میں اپنے اپنے محلے میں گھر گھر پہنچ کر ان کی اصلاح فرمائیں۔ مولانا حسامی نے کہا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اُمت دن بہ دن دینی تعلیم سے دور ہوتی جارہی ہے۔ لہذا علماء کرام ان حالات میں رسول اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تبلیغ دین کی خاطر اپنے اپنے خدمات کو مدرسے اور خانقاہوں کے باہر عام لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے سنت رسولؐ ان تک پہنچائے۔ مولانا حسامی نے موجودہ سیاسی انتخابی ریلیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ صرف چند سال دنیا کے منصب اور عہدے کے لئے ہم دیکھ رہے ہیں کہ کتنی کوشش اور محنت کی جارہی ہے۔ سارے شہر میں گلی گلی قائدین پھر رہے ہیں۔ ایک ایک فرد سے ملاقات کررہے ہیں اور بڑے ملنساری سے عاجزی سے ان کے حق میں ووٹ دینے کی اپیل کررہے ہیں۔ اگر موجودہ دور میں ہمارے علماء کرام اپنے اپنے محلّہ میں گھر گھر پہنچ کر دین کی تبلیغ کریں تو بہت بڑا انقلاب پیدا ہوسکتا ہے اور معاشرہ میں کافی سدھار ہوسکتا ہے۔ مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے فلسطین کے حالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس سے مسلمانوں کا قلبی تعلق ہے۔ وہ سرزمین انبیاء علیہم السلام ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز ادا کرنے پر پچاس ہزار رکعتوں کا ثواب ملتا ہے۔ مولانا نے کہا کہ سالوں سے بیت المقدس کے تحفظ کے لئے مجاہدین مصروف جہاد ہیں۔ ظالم اسرائیل فلسطینیوں پر ظلم کررہا ہے عنقریب اس کی سزا پائے گا اور کہا کہ ظلم کے ساتھ حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتی۔ مولانا نے کہا کہ علماء کرام سے اور مساجد سے ہمارا رشتہ مضبوط ہونا چاہئے۔ نعتیہ و منقبتی مشاعرے میں تشکیل انور رزاقی، جلیس بھارتی، سہیل عظیم، حافظ نہال احمد، سید زبیر علی شاہ قادری، عبدالقدیر اعتبار، مہند علی اور مولانا حسامی نے شرکت کی اور کلام سنایا۔ سید سہیل عظیم نے نظامت کے فرائض انجام دئے۔ اس موقع پر جناب انور الدین صدیقی کی عمرہ کی ادائیگی کی خوشی میں بزم کی جانب سے مولانا حسامی نے گلپوشی کی۔ داعی محفل کنونیر جلسہ تشکیل انور رزاقی اور محمد علی نے شکریہ ادا کیا۔ مولانا ڈاکٹر محامد ہلال آعظمی نے سید اطہر الدین کی صحت یابی کے لئے دُعا کی۔ دُعا پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

مسجدِ الٰہی، مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادئ عمر شاہین نگر حیدرآباد زیرِ انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی دوسری چھت ڈالنے کے موقع پر محبان ٹرسٹ وذمّہ داران۔

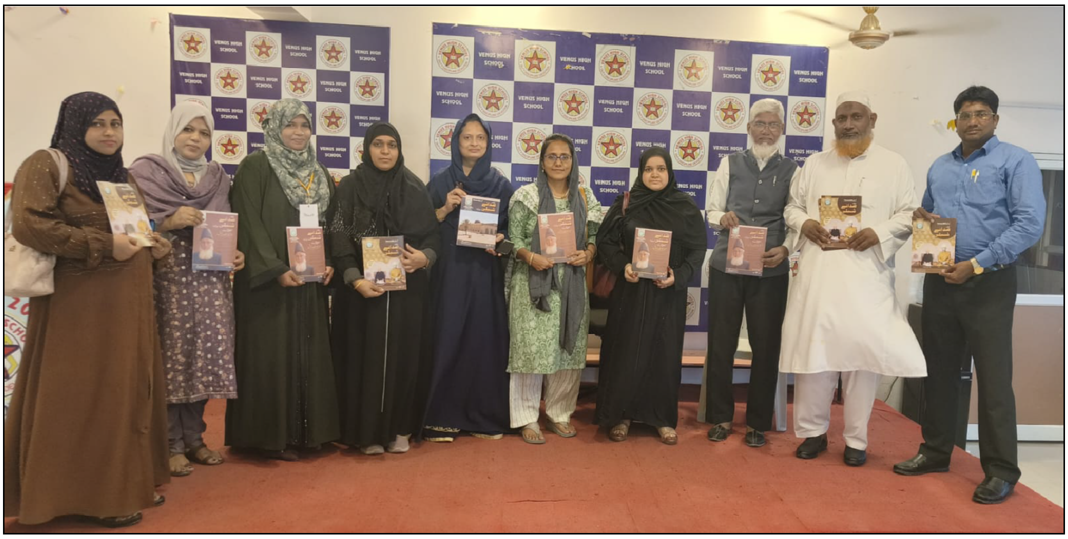

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کے مختلف شمارے جناب غازی الدین صاحب، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد، جناب خلیل احمد صاحب کنوینز وصدر 3H فاؤنڈیشن حیدرآباد، ڈاکٹر رضیہ دانش، ڈاکٹر زرینہ خانم، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر بشیرالنساء، محترمہ طاہرہ بیگم پرنسپل وینس ہائی اسکول ٹولی چوکی اور دیگر لوگوں کے ہاتھوں میں۔

وینس ہائی اسکول ٹولی چوکی حیدرآباد میں بموقع مولانا ابوالکلام آزاد یادگار مقابلے میں بحیثیت جج/ممتحن کے فرائض انجام دینے والے/والیاں۔

تصویر میں جناب غازی الدین صاحب، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد، جناب خلیل احمد صاحب کنویز وصدر 3H فاؤنڈیشن حیدرآباد، ڈاکٹر رضیہ دانش، ڈاکٹر زرینہ خانم، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر بشیر النساء، محترمہ طاہرہ یاسمین پرنسپل وینس ہائی اسکول ٹولی چوکی اور دیگر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's
UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE
یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

Consultation Time
Morning:9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL

EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے **خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ** ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جوقرآن سیکھے اور سکھائے ۔اس حدیث سے علم اورقرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ءکوقائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیورعلم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیرحضرات کےتعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیرحضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرماکر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰھی

زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کاتعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کومسجد کے لئے وقف کیاہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگرحیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جوشبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہاہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اوربستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لےکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاك الله خيرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number** : 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد